جامعہ مدنیہ لاہور کا ترجمان

علمی دینی اور اصلاحی مجلہ

انوارِ مدینہ

لاہور

بیاد

عالمِ ربانی محدثِ کبیر حضرۃ مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ

بانیٔ جامعہ مدنیہ

نگران

مولانا سید رشید میاں مدظلہ

مہتمم جامعہ مدنیہ، لاہور

دسمبر سنہ ۱۹۹۵ء

رجب المرجب سنہ ۱۴۱۶ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ

انوارِ مدینہ

جلد : ۴ رجب المرجب ۱۴۱۶ھ ـ دسمبر ۱۹۹۵ء شمارہ : ۳

مدیر
سیّد محمود میاں
مدرس و نائب مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور

بدلِ اشتراک

پاکستان فی پرچہ ۱۰ روپے	سالانہ ۱۱۰ روپے
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات . . .	۴۵ ریال
بھارت، بنگلہ دیش	۱۰ امریکی ڈالر
امریکہ افریقہ	۱۶ ڈالر
برطانیہ	۱۷ ڈالر

اس دائرہ میں ◯ سُرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ ماہ . . . . . سے آپ کی مُدّتِ خریداری ختم ہوگئی ہے، آئندہ رسالہ جاری رکھنے کے لیے مبلغ . . . . ارسال فرمائیں۔

ترسیلِ زر و رابطہ کے لیے دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور۔ کوڈ ۵۴۰۰۰ فون ۲۰۱۰۸۶ ـ ۲۰۹۰۵۲

آپ کا سالانہ چندہ ستمبر ۹۵ء سے ~~اسی ماہ~~ ختم ہو گیا ہے - آئندہ سال کیلئے سالانہ چندہ -/110 روپے ارسال فرمادیں -

سیّد رشید میاں طابع و ناشر نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور سے شائع کیا۔

اِس شمارے میں

حرفِ آغاز		۳
درسِ حدیث	حضرت مولانا سیّد حامد میاںؒ	۸
سیرتِ مبارکہ	حضرتِ اقدس مولانا سیّد محمد میاںؒ	۱۲
مصیبتوں کے اسباب	حضرت مولانا سیّد ارشد مدنی صاحب	۲۷
مَیں سچ کہتا ہوں (نظم)	سیّد امین گیلانی	۳۸
علامہ ظہیر احسن شوق نیمویؒ	مولانا محمد ثنار الہدیٰ قاسمی	۳۹
تحفہ اصلاحی	حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب	۴۵
دارالافتاء	حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب	۵۴
حاصلِ مطالعہ	حضرت مولانا نعیم الدین صاحب	۵۹

رابطہ : دفتر کراچی

حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب مدظلہٗ، خطیب جامع مسجد سٹی اسٹیشن کراچی

انڈیا میں رابطے کے لیے

حضرت مولانا سیّد رشید الدین صاحب حمیدی مدظلہٗ العالی، مہتمم مدرسہ شاہی مرادآباد یو۔پی۔انڈیا

سا تھ جن کے پاس انبیاء علیہم السلام بھیجے گئے باری تعالیٰ کا کیا معاملہ رہا ہے اور ان قوموں کی کیا حالت رہی ہے اس کو ان آیات میں واضح فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ پہلی آیت میں ارشاد ہوا :

"اور ہم نے جس کسی بستی میں بھی کوئی نبی بھیجا اس کے باشندوں کو ہم نے سختی اور بیماری میں مبتلا کیا تا کہ وہ عاجزی اختیار کریں "

اس کی تشریح یوں سمجھیے کہ اکثر انسانوں کی یہ فطرت ہے کہ جب صحت اور فارغ البالی میسر آتی ہے تو انہیں خدا کی یاد سے غفلت ہو جاتی ہے اور ان کی خدا کی نافرمانیوں کی جرأت اور بڑھ جاتی ہے اسی کا نام تکبر اور بڑائی ہے جو خدا کو ناپسند ہے اور یہی چیز حق بات سننے اور اس کے ماننے میں رکاوٹ کا سبب ہوتی ہے۔ بلکہ ایسی حالت میں انسان اپنی حدود سے آگے بڑھ کر دوسروں پر دستِ ظلم بھی دراز کرنے لگتا ہے۔ جس کی اصل وجہ غفلت، لاپرواہی اور بدمستی ہی ہوتی ہے۔ یہ بھی پروردگارِ عالم کی رحمت ہی کا ایک طریقہ ہے کہ ان کی ایسی نعمتوں پر جو اس غفلت کا باعث بن رہی ہوں کنٹرول کر دے تا کہ سرکشی میں کمی ہو اور خدا کے نبی کی زبانی خدا کا پیغام توجہ سے سننے کا موقع ملے۔

بعض اوقات اس ضعیف الحقیقت انسان کی رعونت کی وجہ سے یہ حال ہوتا ہے کہ وہ کسی سے بات گوارا نہیں کرتا، لیکن جب اس پر سختی کا وقت آتا ہے تو عزیزوں، دوستوں اور ساتھیوں سے مشورے کرتا پھرتا ہے۔ اسی طرح بیماری اور نقصان وہ حالت پیش آنے پر اس کا دل کسی کام میں نہیں لگتا بھوک بھی غائب ہو جاتی ہے، بلکہ بیماری میں تو وہ نعمتیں بھی بے ذائقہ ہو جاتی ہیں۔ جن پر مدارِ حیات ہوتا ہے۔ نہ کھانے کو جی چاہتا ہے نہ پینے کو اور کھا بھی لے تو ذائقہ اچھا نہیں لگتا۔ ایسی حالت میں سرکشی کم ہو کر ہوش ٹھکانے آجاتے ہیں۔ اور خدا کا پیغام جو رسول کی زبانی پہنچایا جاتا ہے وہ بندہ دل سے سنتا اور تسلیم کرتا ہے۔ اسی رویّہ کو اس آیتِ مقدسہ میں ذکر فرمایا گیا ہے۔

اس رکوع کی دوسری آیت میں انسان کی دوسری عادت ذکر فرمائی گئی ہے اس کا ترجمہ یہ ہے :

"اس کے بعد ہم نے بدحالی کی جگہ خوشحالی عطا کر دی۔ حتیٰ کہ انہیں (خوب خوب) ترقی ہوئی اور وہ کہنے لگے کہ ہمارے باپ دادوں کو بھی تنگی اور راحت پیش آئی تھی۔ اس پر ہم نے ان کو اچانک گرفت میں لے لیا اور وہ اس کا گمان بھی نہ رکھتے تھے۔"

اس کی تشریح یہ ہے کہ اس پریشانی اور بدحالی کے بعد ہم نے ان کے لیے ترقی کی راہیں کھول دیں وہ خوب

پھلے پھولے اور بڑھے ۔ یہ حالت اس لیے کی گئی کہ بعض لوگ تنگ دستی میں اور بھی پریشان ہو جاتے ہیں اور پوری توجہ صرف اپنی معاشی بدحالی دور کرنے کی طرف لگا دیتے ہیں ۔ ایسے وقت وہ نہ کچھ سُن سکتے ہیں اور نہ ان کی سمجھ صحیح کام کرتی ہے ۔ اس لیے یہ حالت بدل کر پھر نعمتوں سے نواز دیا جاتا رہا ہے کہ بدحالی دور ہونے پر خدا کے شکر کی طرف متوجّہ ہوں اور انبیاء کرام کی زبانی دیئے ہوئے احکام پر چلنے لگیں ، لیکن ان کے لیے یہ تبدیلی بھی اصلاح کا فائدہ نہیں رکھتی ۔ وہ یہ تاویلیں کرنے لگتے ہیں کہ ہمارے بڑوں پر سختی نرمی کے سب ہی دَور گزرتے رہے ہیں اس کا تعلّق نہ خدا کی اطاعت سے ہے نہ نافرمانی سے ۔ اس تاویل کو دل میں بٹھا کر پھر پوری طرح دریائے غفلت میں غرق ہو جاتے رہے ہیں ۔ حق تعالیٰ ایسی حالت میں ان کو ایسی ہی سزائیں دیتے رہے ہیں جو ان کے گمان میں بھی نہ ہوتی تھیں اور اچانک آ گھیرتی تھیں ۔ اس آیت کی تفسیر کے ساتھ علماء محققین نے یہ نکتہ بیان فرمایا ہے کہ جس نعمت کے بعد شکر کی توفیق ہو اور جس مصیبت کے بعد خداوندِ کریم کی ذاتِ پاک کی طرف رجوع کرنے کی دولت مل جائے وہ ہی قوم یا اشخاص ایسے ہوتے ہیں جو عنداللہ مقبول ہوتے ہیں اور نجات پا جاتے ہیں ۔ جن لوگوں کی حالت یہ ہو کہ نعمت کے حاصل ہونے پر غرور و غفلت بڑھ جائے اور مصیبت کے وقت شکایت باری تعالیٰ لب پر آئے تو وہ لوگ بڑے خسارہ میں رہتے ہیں ۔ (خدا پناہ میں رکھے) کیونکہ ایک تو مصیبت کی تکلیف پہونچی پھر وہ بھی اجر اور خدا کی خوشنودی سے خالی ۔ ربّ العالمین نے جو انسانوں کا خالق ہے ۔ جس نے فطرتِ انسانی پیدا فرمائی ہے اس نے قرآنِ عزیز میں دو طرح کی فطرتیں بیان فرمائی ہیں ۔

(۱) اذا مَسَّہُ الشَّرُّ فَیَؤُسٌ قَنُوطٌ ۔ یعنی انسان ایسا ہے کہ جب اسے کوئی تکلیف پہونچتی ہے تو مایوس اور بالکل ناامّید ہو جاتا ہے ۔

اور دوسری فطرت اس طرح کی ہوتی ہے کہ "اِذَا مَسَّہُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَاءٍ عَرِیْضٍ " یعنی جب اسے تکلیف پہونچتی ہے تو لمبی لمبی دعائیں مانگنے لگتا ہے ۔

اس کے بعد تیسری آیت میں حق تعالیٰ نے اپنا معاملہ جو مخلوق کے ساتھ ہوا کرتا ہے بیان فرمایا ہے ۔ ارشاد ہوا :

"اور اگر بستیوں والے ایمان لے آئے ہوتے اور پرہیزگاری اختیار کی ہوتی تو ہم پر آسمان و زمین کی برکتیں کھول دیتے ، لیکن انھوں نے تو جھٹلایا ، تو ہم نے ان کی کرتوتوں کی پاداش میں ان کی گرفت فرمائی ۔"

آسمانی برکات سے مراد یہ ہے کہ ہر طرح کی برکتیں نازل کرتے اور آفتوں سے محفوظ رکھتے ۔ زمین کی برکتوں سے جو آسمانی برکتوں سے ملی ہوئی ہوں یہ مراد ہوگی کہ ہر قسم کی آسانیاں پیدا فرما دی جاتی ہیں ۔

خدا کے لیے دونوں کام آسان ہیں وہ چاہے تو اسی زمان و مکان کو جنّت کا نمونہ بنادے اور وہ چاہے تو جہنّم کا نمونہ بنادے۔

آسمان سے بارش برسائے، بارش مناسب ہو، صحیح وقت پر ہو۔ ہر جگہ ہو جائے تو بارانی فصلیں بھی درست ہو جاتی ہیں اور اگر بارش بے وقت اور بہت زیادہ ہو جائے تو پیدا شدہ فصلیں بھی تباہ ہو جاتی ہیں۔ یہ نمونہ تو ہم ہر سال ہی دیکھتے رہتے ہیں اور اس کا مقابلہ تو کیا اس سے بچاؤ بھی ممکن نہیں رہتا۔
وہ اگر چاہے تو بے کار و بے باراں زمین سے چشمے نکال دے چاہے پانی کے چشمے نکال دے چاہے آج کی دُنیاؤی ضروریات کے مطابق تیل کے چشمے نکال دے۔ وہ چاہے تو زمین سے معدنیات، ہیرے جواہرات کی کانیں اور مفید گیسیں برآمد فرمادے اور نہ چاہے تو چاہے جتنی کوشش کرلی جائے سب اکارت جائے اور کچھ بھی برآمد نہ ہو، بلکہ چشمے بھی خشک ہو کر رہ جائیں۔

اس آیت میں تبلایا گیا ہے کہ سب کچھ اللہ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ وہ جو ارادہ فرماتا ہے وہ سب کچھ ہو جاتا ہے۔ اس لیے اس کی ذاتِ پاک کو "مسبّبُ الاسباب" کہا جاتا ہے یعنی وہ ہر چیز کا سبب اور اس کی وجہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے پھر بندہ اپنا وقتِ عزیز کیوں اس کی ذات کے سوا کسی اور طرف لگ کر اطاعت کے بجائے نافرمانی پر صرف کرتا ہے اور کیوں اپنی قلبی توجّہ، اپنی قوّت وصلاحیت اس کی اطاعت پر نہیں لگاتا کہ جس سے اس کی دنیا و آخرت دونوں سنور جائیں۔

اس آیت کے آخری جملہ کا ترجمہ عرض کیا گیا ہے کہ: "ہم نے ان کی کرتوتوں کی پاداشس میں ان کی گرفت فرمائی"۔
اس مبارک جملہ میں تبلایا گیا ہے کہ آفتیں دراصل انسان کی اپنی کرتوت، معصیت و نافرمانی کی وجہ سے آتی ہیں۔ ربّ ذوالجلال کی ذات بہت غنی ہے۔ جیسا کوئی کرتا ہے وہ بھی اس کے ساتھ اسی قسم کا معاملہ فرماتا ہے۔ اس لیے اس کی ذاتِ پاک سے تعلق جوڑو، تاکہ اس کا معاملہ تمہارے ساتھ مہربانی کا ہو جائے۔

اس مبارک رکوع کی چوتھی، پانچویں اور چھٹی آیت میں بھی باری تعالیٰ نے بندوں کو معصیت سے منع فرمایا ہے اپنی جلالتِ شان اور بے نہایت قدرت کا ذکر فرمایا ہے۔ انسانوں کی غفلت کی حالت تبلائی ہے کہ وہ دن کو بھی نشۂ غفلت میں سرشار رہتے ہیں اور رات کو بھی، حالانکہ خدا کی گرفت اس پر ہر وقت ہو سکتی ہے۔ جب بندہ غافل اور مبتلائے معصیّت ہو اور جس وقت بھی خدا کا غضب جوش میں آجائے۔ معاذ اللہ۔

ان آیات کا ترجمہ یہ ہے :

" تو کیا بستیوں والے اس سے مطمئن ہو گئے ہیں کہ ان پر رات کو سوتے سوتے ہمارا عذاب آجائے اور کیا بستیوں والے اس سے مطمئن ہو گئے ہیں کہ ہمارا عذاب دن چڑھے آجائے ، جبکہ وہ کھلاڑیوں میں لگے ہوں ۔ کیا وہ اللہ تعالیٰ کی نہ نظر آنے والی تدبیر سے مطمئن ہو گئے ہیں ۔ اللہ کی نہ نظر آنے والی تدبیر سے وہی بے خوف ہوتے ہیں جو خسارہ اور گھاٹے میں مبتلا ہوں "۔

آخر کی ان تینوں آیتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے کفار اور ان کی بستیاں مراد ہیں ۔ انہیں نافرمانیوں پر سخت وعید فرمائی گئی ہے اور ایسے عجیب اور ہیبتناک انداز سے سرزنش فرما کر ڈرایا گیا ہے جو کلامِ الٰہی کا ہی اعجاز ہے ۔

ان آیتوں میں یہ بے خوفی کافروں کی ذکر فرمائی گئی ہے ۔ اس سے علماءِ کرام نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ عذابِ خداوندی سے بالکل بے خوف ہو جانا یہ بھی کفر ہے ۔ شریعت میں بتلایا گیا ہے کہ ایمان کی اصلی حالت یہ ہے کہ خوفِ خدا بھی ہو اور اُمیدِ رحمت بھی ۔ جیسے قطعاً بے خوف ہونا کفر ہے اسی طرح قطعاً مایوس ہونا بھی کفر ہے ، کیونکہ اس سے گویا خداوند کریم کی صفتِ رحمت کا انکار لازم آتا ہے ۔ اور اللہ کی کسی صفت کا بھی انکار یقیناً کفر ہوتا ہے ۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے احکام پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے اور دنیا و آخرت میں اپنے فضلِ خاص سے نوازے ۔ آمین ۔

سیّد حامد میاں غفرلہٗ

۵ ، نومبر ۱۹۷۶ء

اِس دینی رسالہ سے آپکا تعاون آپ کے اَجر اور اسکے اِستحکام ، بقاء ، اور ترقی کا باعث ہوگا ۔

★ اِس کے خریدار بنیئے اور دوسروں کو خریدار بنائیے ۔

★ اِس میں اشتہار دیجئے اور دوسروں سے دلوائیے ۔

★ اِس کے لیے مضامین لکھئے اور اپنے مضمون نگار دوستوں کو اس کیلئے مضمون لکھنے کی ترغیب دیجئے ۔

مولای صلِّ وسلِّم دائماً ابداً علیٰ حبیبک خیرِ الخلقِ کلِّهمِ

درسِ حدیث

استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ کے زیرِ اہتمام ہر اتوار کو نمازِ مغرب کے بعد جامعہ مدنیہ میں "مجلسِ ذکر" منعقد ہوتی تھی۔ ذکر سے فارغ ہو کر حضرت رحمہ اللہ حدیث شریف کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ ذکر و بیان کی یہ مُبارک اور رُوح پرور محفل کس قدر جاذب و پُرکشش ہوتی تھی الفاظ اس کی تعبیر سے قاصر ہیں۔

محترم الحاج محمود احمد عارف رح کی خواہش و فرمائش پر عزیز بھائی شاہد صاحب سلمہٗ نے حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ کے بہت سے دروس ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ محفوظ کر لیے تھے اور پھر دروس والی تمام کیسٹیں اُنھوں نے مولانا سید محمود میاں صاحب کو عطا کر دیں۔

ہماری دُعا ہے کہ جن کی مہربانی، توجّہ اور سعی سے یہ انمول علمی جواہر ریزے ہمارے ہاتھ لگے، حق تعالیٰ اُن سب کو بیش از بیش اَجر سے نوازے۔ ہم ان شاء اللہ تعالیٰ یہ قیمتی لؤلؤ لالہ "انوارِ مدینہ" کے ذریعہ حضرت رحمہ اللہ کے مریدین و احباب تک قسط وار پہنچاتے رہیں گے۔

واضح رہے کہ حضرت کے خلفِ اکبر اور جانشین حضرت مولانا سیّد رشید میاں صاحب کے زیرِ اہتمام ذکر و درس کا یہ سلسلہ بفضلہ تعالیٰ اَب بھی جاری ہے۔

ہنوز آں ابرِ رحمت در فشاں است خم و خمخانہ با مہر و نشان است

کیسٹ نمبر ۷، سائڈ اے۔ ۲۶ - ۲ - ۱۹۸۲ء

الحمد للہ رب العٰلمین والصلٰوۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ سیّدنا ومولانا محمّد وآلہٖ واصحابہ اجمعین

اَمَّا بَعد!

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ جَاءَ الْاَسْلَمِیُّ اِلٰی نَبِیِّ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَشَهِدَ عَلٰی نَفْسِهٖ اَنَّهٗ اَصَابَ امْرَاَةً حَرَامًا اَرْبَعَ مَرَّاتٍ كُلَّ ذٰلِكَ یُعْرِضُ عَنْهُ فَاَقْبَلَ فِی الْخَامِسَةِ فَقَالَ اَنِكْتَهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ حَتّٰی غَابَ ذٰلِكَ مِنْكَ فِیْ ذٰلِكَ مِنْهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ كَمَا یَغِیْبُ الْمِرْوَدُ فِی الْمُكْحُلَةِ وَالرِّشَاءُ فِی الْبِئْرِ قَالَ نَعَمْ قَالَ هَلْ تَدْرِیْ مَا الزِّنَا؟ قَالَ نَعَمْ اَتَیْتُ مِنْهَا حَرَامًا مَا یَاْتِی الرَّجُلُ مِنْ اَهْلِهٖ حَلَالًا قَالَ فَمَا تُرِیْدُ بِهٰذَا الْقَوْلِ قَالَ اُرِیْدُ اَنْ تُطَهِّرَنِیْ فَاَمَرَ بِهٖ فَرُجِمَ فَسَمِعَ نَبِیُّ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَجُلَیْنِ مِنْ اَصْحَابِهٖ یَقُوْلُ اَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهٖ اُنْظُرْ اِلٰی هٰذَا الَّذِیْ

سَتَرَاللّٰہُ عَلَیْہِ فَلَمْ تَدَعْہُ نَفْسُہٗ حَتّٰی رُجِمَ رَجْمَ الْکَلْبِ فَسَکَتَ عَنْھُمَا ثُمَّ سَارَ سَاعَۃً حَتّٰی مَرَّ بِجِیْفَۃِ حِمَارٍ شَائِلٍ بِرِجْلِہٖ فَقَالَ اَیْنَ فُلَانٌ وَّ فُلَانٌ فَقَالَ نَحْنُ ذَانِ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ فَقَالَ اَنْزِلَا فَکُلَا مِنْ جِیْفَۃِ ھٰذَا الْحِمَارِ فَقَالَ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ مَنْ یَاْکُلُ مِنْ ھٰذَا قَالَ فَمَا نِلْتُمَا مِنْ عِرْضِ اَخِیْکُمَا اٰنِفًا اَشَدُّ مِنْ اَکْلٍ مِّنْہُ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ اِنَّہُ الْاٰنَ لَفِیْ اَنْھَارِ الْجَنَّۃِ یَنْغَمِسُ فِیْھَا[1]

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ماعز اسلمیؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے بارہ میں چار بار یعنی چار مجلسوں میں یہ گواہی دی کہ انہوں نے ایک عورت کیساتھ بطریق زنا جماع کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر بار اپنا رُخ پھیر لیتے تھے۔ پھر پانچویں بار ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ کیا تم نے اس عورت کے ساتھ صحبت کی ہے؟ انہوں نے کہا، ہاں۔ آپؐ نے فرمایا کیا تم نے اس طرح صحبت کی کہ وہ اس میں غائب ہوگیا؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہاں۔ آپ نے فرمایا کیا اسطرح جسطرح سلائی سرمہ دانی میں اور رسی کنوئیں کے اندر غائب ہوجاتی ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہاں۔ آپؐ نے فرمایا تم جانتے ہو زنا کس کو کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہاں میں نے اس عورت کے ساتھ حرام طور پر وہ کام کیا ہے جو ایک مرد اپنی بیوی کے ساتھ حلال طور پر کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا (اچھا یہ بتلاؤ) یہ جو کچھ تم نے کیا ہے اس سے تمہارا مقصد کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ (مجھ پر حد جاری فرماکر) مجھ کو (اس گناہ سے) پاک کر دیجئے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سنگسار کرنے کا حکم جاری فرمایا اور ان کو سنگسار کر دیا گیا۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ میں سے دو آدمیوں کو یہ گفتگو کرتے ہوئے سنا کہ اُن میں سے ایک اپنے ساتھی سے یہ کہہ رہا تھا کہ "اس شخص کو دیکھو اللہ تعالیٰ نے اس کی پردہ پوشی کی تھی، لیکن اس کے نفس نے اس کو (اپنے اقرار گناہ سے) باز نہ رکھا یہاں تک کہ وہ ایک کتے کی مانند سنگسار کیا گیا۔" آپ نے (یہ سن کر اس وقت تو) ان دونوں سے کچھ نہیں کہا، البتہ کچھ دیر تک چلنے کے بعد ایک مرے ہوئے گدھے کے قریب سے

[1] مشکوٰۃ ص۳۱۶

گزرے، جس کے پاؤں اوپر اٹھے ہوئے تھے، تو آپؐ نے پوچھا کہ فلاں فلاں (یعنی وہ دونوں) شخص کہاں ہیں (جنھوں نے ماعزؓ کا اس وجہ سے تحقیر کی تھی کہ ان کو سنگسار کیا گیا تھا) انھوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم دونوں حاضر ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم دونوں اترو اور اس گدھے کا مردار گوشت کھاؤ۔ انہوں نے (بڑی حیرت کے ساتھ) عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا گوشت کون کھا سکتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا، تم نے ابھی اپنے بھائی کی جو آبروریزی کی ہے وہ اس گدھے کا گوشت کھانے سے بھی زیادہ سخت (بری بات) ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، بلاشبہ وہ (یعنی ماعزؓ) جنت میں غوطہ لگا رہا ہے۔"

ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے ایک گناہ ہوگیا اور وہ گناہ ایسا تھا کہ اس پر حد لازم آتی تھی۔۔۔ وہ حاضر ہوئے اور انہوں نے عرض کیا کہ مجھ سے یہ گناہ ہوگیا ہے) آپؐ نے فرمایا کہ تمہارا منشا کیا ہے، جب ان کا اصرار ہوا سب ہی چیزیں ہوئیں اور خود اپنے اقرار سے ہوئیں۔ کوئی گواہ بھی نہیں۔ ایسی صورت میں حکم یہ ہے کہ بندہ خدا سے استغفار کرے، یہ بھی کافی ہے، لیکن ان کی طبیعت مطمئن نہ ہوئی جب تک مجھے میرے گناہ کی سزا نہ مل جائے میں پاک نہیں ہوں گا۔ یہ ذہن میں ان کے رہا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر انہیں سزا دے دی اور سزا سنگساری کی دی ہے۔

آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے کہ دو آدمیوں کی گفتگو آپ کے سامنے آئی۔ ایک کہہ رہا تھا کہ دیکھو اس آدمی کے اوپر اللہ نے پردہ رکھا اور اس نے جو جرم کیا اس کا پتہ کسی کو نہیں تھا، لیکن اس کے مزاج کو دیکھو کہ اس کے نفس نے، مزاج نے خود اسے مجبور کیا حتیٰ کہ وہ ۔۔۔ ایسے سنگسار کیا گیا جیسے کتے کو کیا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ تھے یہ لوگ۔ گفتگو کر رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی طرف تشریف لے چلے یا لے جا رہے تھے۔ راستے ہی میں اِدھر اُدھر سے یہ آواز پڑی تو آپ نے کچھ نہیں کہا انہیں اور تھوڑے چلنے کے بعد ایک گدھا آگیا۔ مردار پڑا تھا۔ اور وہ ایسے تھا کہ پھول چکا تھا۔ اس کے پاؤں بھی جیسے پھولنے کی وجہ سے الگ الگ ہو جاتے ہیں، ٹانگیں ایسے الگ الگ ہوگئیں تھیں۔ وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ فلاں اور فلاں کہاں ہیں۔ ان کے نام لیے ان دونوں نے کہا کہ ہم موجود ہیں۔ ارشاد فرمایا تم اترو اور اتر کے یہ جو گدھا ہے اس میں سے کھاؤ، کچھ اس کا گوشت کھاؤ اور گدھا جو تھا وہ جس حال میں تھا وہ بھی پتہ ہے سڑ چکا تھا پھول چکا تھا۔ انہوں نے عرض کیا کہ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ مَنْ یَّاکُلُ مِنْ ھٰذَا؟ اس میں سے کون کھا سکتا ہے؟ قَالَ فَمَا

نِلْتُمَا مِنْ عِرْضِ اَخِيْكُمَا اٰنِفًا اَشَدُّ مِنْ اَكْلٍ مِّنْهُ۔ جو تم نے ابھی ابھی کہا ہے وہ اس کے کھانے سے زیادہ بڑا گناہ ہے۔ زیادہ بڑی چیز ہے۔ تم نے محسوس نہیں کی تمہیں پتہ نہیں چلا، لیکن خدا کے یہاں جو اس عالم میں اثر مرتب ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اس سے یہ بہتر ہے کہ آدمی یہاں کھالے۔ اگر یہ سزا دی جائے کسی کو کہ یہ کھالے تو یہ خفی ہوگی بہ نسبت اس کے کہ جو وہاں اسے دی جائے گی اور ارشاد فرمایا آپ نے وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ اِنَّهُ الْاٰنَ لَفِیْ اَنْهَارِ الْجَنَّةِ يَنْغَمِسُ فِيْهَا۔ قسم کھا کر ارشاد فرمایا۔ قسم اس ذات کی کہ جس کے قبضے میں میری جان ہے وہ اب اس وقت جنت کی نہروں میں ہے اور اس میں غوطے لگا رہا ہے۔ يَنْغَمِسُ فِيْهَا اور تم اس کے بارے میں ایسا خیال کر رہے ہو۔

تو اس میں ایک تو یہی ثبوت ہے کہ حد لگائی گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور بالغ آدمی بلکہ شادی شدہ آدمی زنا کرے تو اس کی حد سنگسار ہے۔ ایک مسئلہ یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی بھی گناہ انسان سے ہو جائے یہ نہیں ہے کہ وہ اسے کسی سے ظاہر کرے، بلکہ اگر اللہ تعالیٰ نے اس گناہ کو چھپا لیا ہے تو اسے بھی چھپائے رکھنا چاہیئے، کیونکہ چھپنا جو ہے کسی بات کا یہ خدا کا انعام ہے، ورنہ نہیں چھپتی پھیلتی چلی جاتی ہے کھل جاتی ہے بات۔ اسے چھپائے رکھنا یہ خدا کا انعام ہے، تو اس کے بجائے کیا کرے استغفار کرے۔ اب ان کو یہ مسئلہ تو معلوم تھا اور ان دونوں صحابیوں نے اپنی گفتگو میں یہی بات کہی، لیکن اس کے بارے میں ایک جملہ سخت یہ کہہ دیا کہ کتے کی طرح سے اس کو مارا گیا۔ پہلی بات تو ٹھیک تھی ان کی کہ اس نے یہ غلطی کی۔ جب اللہ نے اس کے اوپر پردہ رکھا تھا تو اسے پردہ کھولنے کی ضرورت نہیں تھی۔ استغفار کرتا رہتا، پچھتاتا رہتا زندگی بھر، تو جتنا پچھتاتا، جتنا استغفار کرتا اللہ کی رحمت اتنی ہی بڑھ جاتی، مگر ساتھ ساتھ یہ جملہ آگیا تھا کہ ذلیل ہو کے مارا گیا۔ کتے کی موت مارا گیا، یہ کتے کی موت مارا گیا جو ہے یہ ایک ایسے شخص کو کہ جس کی موت کی وجہ صرف اس کا ایمان ہوا ہے اسے یہ کہنا یہ بڑی غلط بات ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پسند نہیں آیا کہ جو آدمی اسطرح سے اس قدر شدید سزا کو ترجیح دے رہا ہے آخرت کے عذاب پر تو اس کا یہ بھی تو اندازہ کرو کہ اس کے دل میں ایمان کتنا ہے۔ کتنا بڑا مومن ہے وہ، اس سے نظر تم نے ہٹالی۔ اور صرف اس چیز پہ نظر رکھی کہ یہ اسطرح سے مرا، تو تم نے جو یہ ذہن میں لاکر زبان سے ادا کیا تو یہ بہت بڑا گناہ بن گیا اور ایسے ہی ہو گیا جیسے زندہ کا گوشت کھاتا ہے۔

اور یہ غیبت ایسی بُری ہے لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا جیسے کسی مسلمان بھائی کا گوشت کھا رہا ہو مردار کا۔ اور یہاں یہ ہے کہ اس سے بھی شکل کھانا ہوا کہ گدھا جو سڑ چکا ہے اس کا گوشت گویا کھا رہا ہے وہ آدمی جو مردے کی غیبت

(بقیہ بر صـ ۳۷)

(قسط نمبر : ۳۹)

سلسلۂ مواخات اور سیاسی رہنماؤں کے لیے ایک سبق

حضرۃ شیخ الحدیث مولانا سید محمد میاں رحمہ اللہ کی تصنیف لطیف
سیرۃ مبارکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے چند اوراق

تیسرا کام ۔ قریش و اہل یثرب کا معاہدہ ۔ یہود سے مصالحت

(۱)

یثرب و مضافات یثرب (مدینہ) اُس عرب کا ایک علاقہ تھا جہاں نہ کوئی حکومت و سلطنت تھی نہ فوج اور پولیس ۔ پورا عرب آزاد و خودسر قبائل کا ایک وسیع جنگل تھا ۔ وہاں صرف معاہدات کا ایک نظام تھا ۔ وہی قبائل کو جوڑتا تھا اور وہی حفاظت کا ذمہ دار ہوتا تھا ۔ دو قبیلوں میں اگر جنگ ہو گئی تو وہ ان قبیلوں تک ہی نہیں رہتی تھی، بلکہ ان کے حلیف اور معاہد قبیلے میدان میں اُتر آتے تھے ۔ اس طرح دو قبیلوں کی لڑائی دو نظاموں (دو قبائلی گروپوں) کی لڑائی بن جاتی تھی ۔

یثرب کے دو قبیلے اوس و خزرج کے افراد مسلمان ہوئے تھے ۔ ان کے بھی معاہدات تھے ۔ یثرب کے قریب (بنو قریظہ ۔ بنو نضیر وغیرہ) یہود کے جو قبائل آباد تھے ان معاہدات میں شریک تھے ۔ بنو قریظہ قبیلہ اوس کے حلیف تھے ۔

ان معاہدات میں جس طرح دفاع کی ذمہ داری ہوتی تھی کہ حملہ آور کا مقابلہ آپس کی متحدہ طاقت سے کریں گے اسی طرح یہ بھی ہوتا تھا کہ اگر حلیف قبیلہ کا کوئی شخص کسی کو قتل کرے تو اس کی تلافی کی کیا صورت ہوگی ۔ پنچائتی قسم کے کچھ قاعدے اصول متعارفہ کے طور پر رائج تھے جو عام پر تسلیم کیے جاتے تھے ان کے بموجب قتل کی بعض صورتوں میں "قصاص" ہوتا تھا ۔ یعنی جان کے بدلے جان ۔ بعض صورتوں میں جان کے بدلے جان نہیں بلکہ دیت لازم ہوتی تھی ۔ دیت کے سو اونٹ مقرر تھے ۔

دیت اور بعض صورتوں میں "خون بہا" صرف قاتل یا قاتل کے اہل خانہ سے وصول نہیں کیا جاتا تھا

بلکہ قاتل کی سوسائٹی سے وصول کیا جاتا تھا جس کو عاقلہ کہتے تھے۔ اس کی حدود ہوتی تھیں۔ اس میں (سوسائٹی میں) قاتل کے قبیلے کے آدمی بھی ہوتے تھے۔ حلیف قبیلوں کو بھی اس میں شریک ہونا پڑتا تھا اور معاہدات میں یہ طے ہوتا تھا کہ اگر دیت لازم ہو تو کس قبیلہ کو کتنا دیت میں حصّہ لینا ہوگا۔ ان شرائط کو جو قصاص، خون بہا اور دیت کے متعلق ہوا کرتی تھیں ان کو معاقل کہا جاتا تھا۔

(۲)

قریشی حضرات جو ہجرت کر کے مدینہ آئے تھے ایک نیا عنصر تھے۔ اگرچہ حضراتِ انصار نے ان کی حفاظت کا ذمّہ لیا تھا اور اس طرح مکی اور مدنی مسلمانوں کا ایک گروپ بن سکتا تھا جو ایک نئی سیاسی اور مذہبی پارٹی کی حیثیّت میں رونما ہوتا، مگر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ صورت اختیار نہیں فرمائی۔

یہ گروپ ایک وزن رکھتا تھا اور اگر صرف سیاسی انقلاب مقصود ہوتا تو یہ گروپ کارآمد ہو سکتا تھا۔ لیکن جس کا نصب العین دعوت الی اللہ تھا وہ اس جتھہ بندی کو پسند نہیں کر سکتا تھا۔

حضراتِ انصار یعنی قبیلہ اوس اور قبیلہ خزرج کے جو افراد مسلمان ہوئے تھے، ان کے پورے قبیلے اور کنبے (بطن) مسلمان نہیں ہوئے تھے اور بہت سے وہ تھے کہ ان کے گھر کے بھی سب آدمی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ وہ سابق مذہب پر قائم تھے۔ اس طرح کی جتھہ بندی آپس میں تصادم اور مقابلہ کی شکل پیدا کر دیتی جس کا نتیجہ فساد فی الارض اور قطع ارحام ہوتا جو اسلام میں بدترین جرم ہے۔

جتھہ بندی اور علیحدگی کے برخلاف رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اتفاق و اتحاد اور میل ملاپ کا راستہ اختیار کیا۔ آپ نے اس علاقہ کے تمام باشندوں میں خیر سگالی اور تعاون و امدادِ باہمی کی رُوح پیدا کرنی چاہی۔ مواخات جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے اس کی پہلی کڑی تھی جس سے آپ نے مہاجرین اور انصار میں نہ صرف تعاون اور خیر سگالی کا رشتہ قائم کیا، بلکہ انصار اور مہاجرین کو بھائی بھائی بنا دیا۔

یثرب میں ایک فرقہ مشرکین کا تھا جو قریشِ مکہ کا ہم مذہب تھا اور قریشِ مکہ آسانی سے اس کو اپنا آلۂ کار بنا سکتے تھے۔ دوسرا فرقہ یثرب کے قرب و جوار میں یہود کا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضراتِ مہاجرین کا رابطہ ان سے بھی قائم کر دینا چاہا۔

(۳)

مدینہ میں تشریف لانے کے بعد آپ نے جو کام سب سے پہلے کیے ان میں تیسرا کام یہ تھا کہ آپ

نے مہاجرین اور ان تمام فرقوں میں بقاء باہم تعاون اور خیر خواہی اور خیر اندیشی کا رشتہ قائم کرنے کے لیے ایک تحریر مرتب فرمائی۔ اس کو عہد نامہ بھی کہہ سکتے ہیں اور ایک وفاق کا دستور اساسی بھی۔ قریش مکہ کی تمام کوششوں کو ناکام بناتے ہوئے جس کامیابی کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضراتِ مہاجرین مکہ سے نکل کر مدینہ تشریف لائے تھے اور یہاں ایک مرکز کی بنیاد ڈال دی تھی۔ اس نے جس طرح قریش کو چراغ پا کر دیا تھا۔ حتیٰ کہ انہوں نے فوراً ہی[1] اس مرکز کو ختم کرنے کی سازش شروع کر دی تھی اس کا بھی تقاضا تھا کہ حضراتِ مہاجرین اور باشندگانِ یثرب و مضافاتِ یثرب کے درمیان تعاون، تحفظ اور بقاء باہم کا عہد و پیمان ہو۔ اس عہدنامہ سے یہ تقاضا بھی پورا ہو رہا تھا۔

(۴)

اس عہدنامہ کا ایک فریق حضراتِ قریش ہیں جو ایمان و اسلام سے مشرف ہوئے اور ہجرت کر کے مدینہ میں قیام پذیر ہوئے جن کو عہد نامہ میں المومنین والمسلمین من قریش سے تعبیر کیا گیا ہے۔ دوسرا فریق اہلِ یثرب ہیں (کسی مذہبی فرقہ کی بنا پر نہیں بلکہ باشندۂ عرب کی حیثیت سے) ان میں حضرات انصار کے علاوہ وہ بھی شامل ہیں جو اب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اپنے کفر و شرک پر قائم تھے۔ ان میں عبداللہ بن ابی بن سلول جیسے رؤسا بھی تھے جو کھلم کھلا[2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی مخالفت کیا کرتے تھے۔

یہودِ بنو نضیر، بنو قریظہ، بنو قینقاع وغیرہ اہلِ یثرب نہیں ہیں۔ یہ قبائل یثرب سے باہر مضافاتِ یثرب میں آباد تھے۔ اہلِ یثرب (اوس اور خزرج) سے ان کے معاہدات تھے۔ ان معاہدات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر انداز نہیں فرمایا، بلکہ ان کو مستحکم اور مضبوط کیا ہے، چنانچہ انہیں معاہدات کے واسطہ سے ان کو اس عہدنامہ میں شامل فرمایا ہے۔

---

[1] چنانچہ اپنے ہم مشرب یعنی مشرکین مدینہ کو خط لکھا کہ مسلمانوں کو نکال دو یا اُن سے جنگ کرو، ورنہ ہم مدینہ پہنچیں گے اور تمہارے جوانوں کو قتل کریں گے۔ عورتوں کی آبرو خراب کریں گے (ابوداؤد شریف باب خبر النفیر) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو عہدِ زرّیں جلد اوّل (قریش کی طرف سے یثرب میں مخالفت محاذ)

[2] ملاحظہ ہو بخاری شریف ص۶۵۶ و ص۹۱۶ و ص۹۲۴ وغیرہ حدیث اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ جس میں تذکرہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مجمع کو خطاب کر کے فرمانا چاہا تو عبداللہ ابن ابی بن سلول نے توہین آمیز انداز میں مخالفت کی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوئی فریق نہیں ہیں[1]۔ آپ ایک سرپرست ہیں اور اس معاہدہ کے بانی کی حیثیت سے آپ کو مرکزی شخصیت تسلیم کیا گیا ہے اور یہ طے کیا گیا ہے کہ باہمی نزاعات میں آپ کی ذاتِ پاک مرجع ہوگی اور آپ کا فیصلہ آخری ہوگا۔

آپ کی یہ مرکزی حیثیت کسی مادی طاقت کی بنیاد پر نہیں ہے۔ انصار و مہاجرین کی مٹھی بھر جماعت جو آپ کے ساتھ تھی یہ طاقت نہیں رکھتی تھی کہ مشرکینِ یثرب اور قبائلِ یہود کو اس پر مجبور کر دے کہ وہ آپ کو مرکز اور مرجع تسلیم کریں۔ یہ آپ کی پر تقدس شخصیت کا اعجاز تھا کہ مخالفین کے قلوب بھی اس اعتراف پر مجبور ہو گئے کہ آپ سے صرف سچائی، انصاف اور ہمدردی و خیر خواہی کی توقع کی جا سکتی ہے۔ آپ جیسا شخص کاذب و ظالم نہیں ہو سکتا۔ آپ کی اسی مقبولیت نے جو چند روز میں حاصل ہو گئی تھی آپ کو مرجع اور مرکز بنایا اور آپ کی اسی مقبولیت نے ان کا بھی وزن بڑھا دیا جو آپ کے جان نثار تھے۔ پھر اس معاہدہ کے ایک ایک لفظ پر نظر ڈالیے کوئی بات بھی ایسی نہیں جس کا انکار کیا جا سکے۔ سچائی، تقویٰ اور نیک کردار کی تاکید بار بار کی گئی ہے جس سے انکار کوئی بھی نہیں کر سکتا تھا۔

سرپرستانہ حیثیت کے علاوہ (جو نزاع کے وقت مرجع بنے گی) اور کوئی اختیار آپ نے اپنے لیے منظور نہیں کرایا۔

دنیا کی تاریخ نے اس عہد نامہ کو یہ اہمیت دی ہے کہ اس کو "اقدمُ دستورٍ مسجلٍ فی العالَم" (دنیا میں بنیادی حقوق کی سب سے پہلی باقاعدہ دستاویز) بھی کہا گیا ہے۔ لہٰذا ہم اس کو بجنسہٖ نقل کرتے ہیں اردو داں حضرات کی آسانی کے لیے ہر ایک فقرہ کے سامنے اس کا ترجمہ کر دیا گیا ہے۔ فقروں کے شروع میں نمبر عہد نامہ میں نہیں ہیں۔ یہ مترجم کا اضافہ ہے تاکہ منشار اور مفہوم پوری طرح واضح ہو جائے۔ اس عہد نامہ کی حیثیت ابنِ ہشام نے ان الفاظ میں بیان کی ہے:

قال ابن اسحاق وكتب رسول الله صلى الله عليه وسلم كتاباً بين المهاجرين والانصار وادَعَ فيه يهودَ وعاهدهم واقرهم على دينهم واموالهم عليهم وشرطوا واشترط لهم۔

---

[1] جو تمام جہانوں کے لیے رحمت بن کر آیا وہ تو سب کا تھا۔ وہ کسی ایک کا کیسے ہو سکتا تھا۔

ترجمہ: فنِ مغازی کے امام علامہ ابنِ اسحاق نے بیان فرمایا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کتاب (تحریر) لکھی۔ مہاجرین اور انصار کے درمیان اس تحریر میں یہود سے بھی مصالحت کی صورت اختیار کی۔ ان سے معاہدہ کیا اور ان کو اپنے دین پر قائم رکھا اور جو جائدادیں ان کی تھیں ان پر قائم رکھا۔ کچھ شرطیں ان پر لگائیں اور کچھ شرطیں ان کے لیے تسلیم کیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱) هذا كتاب من مُحمّد النبيّ رسول الله بين المؤمنين والمسلمين من قريش واهل يثرب ومن تبعهم فلحق بهم وجاهد معهم۔

(۱) یہ تحریر ہے محمدؐ اللہ کے نبی کی طرف سے جو اللہ کے رسول ہیں۔ قریش کے مؤمنین و مسلمین اور اہلِ یثرب کے درمیان اور جو ان کے تابع ہیں[1] اور ان سے الحاق کیے ہوئے ہیں اور کوشش و جدّوجُہد میں اُن کے ساتھ ہیں[2]

(۲) اَنَّهُمْ اُمَّةٌ وَّاحِدَةٌ دُوْنَ النَّاس

(۲) یہ کہ یہ سب (اپنے ماسوا) تمام انسانوں کے مقابلہ میں ایک اُمت[3] ہوں گے۔

(۳) المهاجرون من قريشٍ على ربعتهم[4] يتعاقلون

(۳) قریش کے وہ افراد جو ہجرت کر کے آئے ہیں۔ وہ اپنے حال پر بدستور رہیں گے (اُن کی آزادی اور ان کے حقوق

---

[1] نحوی قاعدہ کے لحاظ سے مطلب یہ ہوگا کہ جو اہلِ یثرب کے تابع اور ان کے ساتھ ہیں۔ اسی عہدنامہ کے دوسرے حصہ میں یہود کا تذکرہ ہے۔ اس میں یہودی بنی النجار، یہود بنی الحارث وغیرہ کے الفاظ ہیں جن سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔ یعنی بنی النجار کے ساتھ جو یہود ہیں انہیں یہود بنی النجار کہا گیا ہے۔ باقی دوسری صورت کہ یہ معنی لیے جائیں کہ جو یہود مسلمانوں کے تابع ہیں وہ نحوی لحاظ سے بھی صحیح نہیں ہے اور عہدنامہ کے سیاق اور پرداخت کے بھی مخالف ہے۔ علاوہ ازیں جو یہود مسلمانوں کے ساتھ ہوں ان کو علیحدہ ایک فقرہ (۱۱) میں بیان کیا گیا ہے۔ [2] اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ جہاد میں ان کے ساتھ رہے ہیں (مگر اب تک کوئی جہاد نہیں ہوا تھا اور جو لڑائیاں زمانہ جاہلیت میں ہوئی تھیں وہ جہاد نہیں تھیں۔ خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریر مبارک میں تو ان کے لیے جہاد کا لفظ آنا بہت ہی مستبعد اور خلافِ عقل ہے۔ واللہ اعلم۔

[3] گروہ۔ قوم۔ جماعت۔ یعنی اگر مذہبی آزادی حاصل رہے تو مسلمان دوسری قوم یا گروہ کے ساتھ مل کر امّتِ واحدہ ہو سکتے ہیں۔ [4] رَبعتِهِمْ۔ كعبةٍ اى حالة حسنة او امرهم الذى كانوا عليه (قاموس)

بينهم وهم تعاقلون عانيهم بالمعروف والقسط بين المسلمين

بدستور رہیں گے) قصاص وخون بہا اور دیت کے متعلق جو جو ان کا دستور ہے اور جو ان کے معاہدات ہیں وہ بدستور رہیں گے ان کا کوئی شخص قید ہوگا تو اس کا فدیہ وہ خود ادا کریں گے (کوئی حلیف اس کا ذمہ دار نہ ہوگا) یہ تمام باتیں اس طرح ہوں گی کہ مسلمانوں کے ساتھ بھی عام دستور کے مطابق بھلائی اور انصاف کا معاملہ کیا جائے گا۔

(۴) وبنو عوف على ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الاولى وكل طائفةٍ تفدي عانيها بالمعروف والقسط بين المؤمنين

(۴) بنو عوف کی آزادی اور ان کے حقوق بدستور رہیں گے قصاص خون بہا اور دیت کے متعلق جو ان کا دستور ہے اور جو ان کے معاہدات ہیں وہ بدستور رہیں گے۔ ان کا کوئی شخص قید ہوگا تو اس کا فدیہ وہ خود ادا کریں گے۔ یہ تمام باتیں اس طرح ہوں گی کہ مسلمانوں کے ساتھ عام دستور کے مطابق بھلائی اور انصاف کا معاملہ کیا جائے گا۔

پھر اسی طرح قبائل بنو الحارث، بنو ساعدہ، بنو جشم، بنو النجار، بنو عمرو بن عوف، بنو نبیت، بنو الاوس کے نام لیے گئے ہیں اور ہر ایک قبیلہ کے نام کے ساتھ یہ صراحت کر دی گئی ہے جو مہاجرین اور بنو عوف کے لیے کی گئی ہے کہ ان کی آزادی اور ان کے حقوق بدستور رہیں گے۔ قصاص، خون بہا اور دیت کے متعلق جو ان کا دستور ہے اور جو ان کے معاہدات ہیں بدستور رہیں گے۔ ان کا کوئی شخص قید ہو جائے گا تو اس کا فدیہ وہ خود ادا کریں گے۔ یہ تمام باتیں اس طرح ہوں گی کہ مسلمانوں کے ساتھ بھی عام دستور کے مطابق بھلائی اور انصاف کا معاملہ کیا جائے گا۔

(۵) ان المؤمنين لا يتركون مفرحًا[1] ان يعطوه بالمعروف في فداء او عقل

(۵) یہ کہ مسلمان کسی ایسے شخص کو جو قرض میں دبا ہوا کثیر العیال ہو اس بات سے نہیں چھوڑیں گے (محروم نہیں کریں گے) کہ اسکو اچھی طرح عطیہ دیں۔ فدیہ یا دیت کے سلسلہ میں[2]

---

[1] المفرج المثقل من الدين الكثير والعيال (ابن ہشام ص ٣٠٢ ج ١)　[2] (حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھیں)

⑥ وان لا یحالف مومن مولی مومن دونه	⑥ اور یہ کہ کسی مسلمان کو یہ حق نہیں ہوگا کہ وہ کسی مسلمان کو نظر انداز کر کے اس کے حلیف سے معاہدہ کرلے (جو مسلمان پہلے سے حلیف ہے اس کو بھی اس معاہدہ اور عہدو پیمان میں شریک رکھنا ہوگا۔)
⑦ وانّ المؤمنین المتقین ایدیهم علیٰ کل من بغی منهم او ابتغیٰ[1] دسیعة ظُلم او اثم او عدوان او فسادٍ بین المومنین وَاَنَّ ایدیهم علیه جمیعًا ولوکان ولد احدهم	⑦ اور یہ کہ اہلِ تقویٰ مومنین سب کی طاقت متحد رہے گی اس شخص کے مقابلہ میں جو ان سے بغاوت کرے (اُن پر ظلم وزیادتی کرے) یا ظالمانہ طریقہ پر ان سے وصول کرنا چاہے یا مسلمانوں کے آپس میں گناہ ظلم یا فساد پھیلانا چاہے ایسے شخص کے مقابلہ میں ان کی طاقت متحد رہے گی۔ خواہ (وہ ظالم) کسی کا اپنا لڑکا ہی ہو۔
⑧ ولا یقتل مومن مومنا فی کافر ولا ینصرُ کافر علی مومن	⑧ یہ کہ کوئی مومن کسی مومن کو کسی کافر کی حمایت[2] میں قتل نہیں کرے گا۔ نہ کسی کافر کی کسی مومن کے مقابلہ میں مدد کی جائے گی۔

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) یعنی اگر کوئی مقروض اور کثیر العیال مسلمان ہو اور اس پر کسی سلسلہ میں فدیہ یا دیت لازم ہو جائے تو مسلمانوں کو حق ہوگا کہ وہ اچھی طرح اس کی امداد کریں اور اس کے ساتھ وہی معاملہ کریں جو عام مسلمانوں کے ساتھ کرتے ہیں مسلمانوں کو اس امداد کا حق ہوگا۔ اس پر کسی کو اعتراض کرنے کا موقع نہیں ہوگا۔ (واللہ اعلم)

[1] ای ابتغیٰ منهم ان یدفعوا الیه علیٰ وجه ظلمهم ای کونهم مظلومین (مجمع البحار)

[2] حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ مکہ کے مشہور رئیس، دشمنِ اسلام امیہ بن خلف سے کاروباری سلسلہ میں معاہدہ کیے ہوئے تھے۔ غزوۂ بدر میں حضراتِ انصار نے امیہ بن خلف کا تعاقب کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اس کو بچانا چاہا۔ اس میں خود ان کے بھی تلوار لگ گئی اور زخمی ہوگئے، مگر مجاہدین انصار نے امیہ کو قتل کر ہی دیا۔ بخاری شریف ص۳۰۸۔ اب اگر امیہ کے حامی ان انصار سے قتلِ امیہ کا بدلہ لینا چاہتے (جیسا کہ قاعدہ تھا، بلکہ ضروری سمجھا جاتا تھا)
(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

(۹) وان ذمّة الله واحدة یجیر علیھم ادناھم	(۹) یہ کہ اللہ کی ذمّہ داری (پناہ) ایک ہے (یعنی اللہ کے نام پہ جو ذمّہ داری لی جائے گی اس کا احترام تمام مسلمانوں پر لازم ہوگا) پناہ دے سکتا ہے مسلمانوں کی ذمّہ داری پہ سب سے معمولی درجہ کا مسلمان بھی[۱]
(۱۰) وان المومنین بعضھم مولیٰ بعض دون النّاس	(۱۰) اور یہ کہ ہر ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا ولی ہوگا (معاہدہ صلح و جنگ میں شریک ہوگا) یہ ولایت غیر مسلم کو حاصل نہیں ہوگی۔
(۱۱) وانه من تبعنا من یھود فان له النصر والاسوة غیر مظلومین ولا متناصر علیھم	(۱۱) اور یہ کہ جو یہودی ہمارے ساتھ ہوں گے ان کی مدد کی جائے گی ان کے ساتھ ہمدردی کی جائے گی۔ وہ مظلوم نہیں ہوں گے۔ نہ ان کے ساتھ انتقامی[۲] کاروائی کی جائیگی۔
(۱۲) وان سلم المومنین واحدة لا یسالم	(۱۲) اور یہ کہ مسلمانوں کی صلح ایک ہے۔ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کے بغیر قتال فی سبیل اللہ (راہِ خدا میں جنگ)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اور اس سلسلہ میں معاہدہ کی بنا پر یا کسی اور تعلق کی بنا پر حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ سے مدد چاہتے تو معاہدہ کی اس دفعہ کے بموجب حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ کے لیے جائز نہ تھا کہ وہ حامیان امیہ بن خلف کی امداد کرتے۔ اس دفعہ کے معنی یہ بھی لیے گئے ہیں کہ کوئی مسلمان کسی مسلمان کو کسی کافر کے مقابلہ میں قتل کرنے کا مجاز نہ ہوگا، مگر اس مفہوم کے لیے لفظ "بکافر" ہونا چاہیئے تھا۔ یہاں "فی کافر" ہے۔ "فی کافر" کی صورت میں معنی وہی ہو سکتے ہیں جو ترجمہ میں لکھے گئے۔ علاوہ ازیں میدانِ جنگ یا دار الحرب میں تو بلاشک یہی ہے، مگر دار الاسلام میں یہ حکم نہیں ہے۔ وہاں اگر مسلمان کسی ذمّی کو قتل کر دے تو امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہی ہے کہ مسلمان کو ذمی کافر کے قصاص میں قتل کیا جائے۔ واللہ اعلم بالصواب

[۱] یعنی اگر معمولی درجہ کا مسلمان جو ذمّہ دارانہ حیثیّت نہیں رکھتا۔ نہ افسر ہے نہ عہدہ دار عام مسلمانوں میں سے ایک ہے۔ وہ بھی کسی غیر مسلم کو پناہ دیدے یا اس سے کوئی معاہدہ کرے تو تمام مسلمانوں پر اس کی پابندی ضروری ہوگی۔

[۲] یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ان کے برخلاف ان کے مخالفین کی مدد نہیں کی جائے گی۔

مومن دون مومن فی قتال فی سبیل اللہ الا علی سواء و عدل بینھم

کے سلسلہ میں صلح نہیں کرسکتا، مگر اس صورت میں کہ مساوات ہو اور آپس میں پوری طرح انصاف ہو (جب کسی معمولی مسلمان کے عہد و پیمان کو بھی یہ اہمیت ہے کہ وہ سب مسلمانوں کا عہد و پیمان مانا جاتا ہے تو مسلمان کا یہ فرض ہے کہ وہ صلح یا عہد و پیمان ایسی صورت سے کرے جس میں حقوق کی مساوات اور اور سراسر عدل و انصاف ہو۔ اگر اس میں کوتاہی کی ہے تو صرف اپنے حق میں نہیں کی، بلکہ تمام مسلمانوں کے حق میں کوتاہی ہے[1] واللہ اعلم

(۱۳) و ان کلّ غازیۃ غزت معنا یعقب بعضھا بعضا[2]

(۱۳) اور یہ کہ مجاہدین (غازیوں) کی جو جماعت ہمارے ساتھ (ہمارے نظام کے ماتحت) غزوہ کریگی اس کا غزوہ نمبروار ہوگا۔ ایک ہی جماعت (فوج) مسلسل نہیں جائیگی بلکہ اگر ایک مرتبہ جا چکی ہے تو اب دوسری جماعت جائے گی۔ اس کے بعد اپنے نمبر پر یہ جا سکے گی۔

(۱۴) وان المؤمنین یبیئ بعضھم بعضًا بما نال دماءھم فی سبیل اللہ۔

(۱۴) اور یہ کہ مسلمان ایک دوسرے کے برابر ہوگا۔ اس امتحان کی بنا پر جو پیش آیا ہوگا۔ ان کے خونوں کو اللہ کی راہ یعنی جانی قربانی معیار ہے۔ فرق مراتب اسی معیار پر ہوگا جن کی قربانیاں مساوی ہیں ان کا درجہ بھی مساوی ہوگا۔ اس کا مفاد یہ ہے کہ قبائل میں جو فرقِ مراتب[3] پہلے تھا وہ اب قابلِ تسلیم نہیں ہوگا جب تک قربانیاں بھی اس درجہ کی نہ ہوں۔

---

[1] اس کے باوجود افسرِ اعلیٰ کو مسترد کرنے کا حق نہیں ہے وہ مسترد اس وقت کر سکتا ہے جب ایسا عہد و پیمان ہو جس میں سراسر معصیت ہے۔ کسی حرام کو جائز یا حلال کو حرام قرار دیا گیا ہو۔ تفصیلات کتب فقہ میں ہیں۔

[2] ای یکون الغزوۃ بینھم نوبًا فاذا خرجت طائفۃ ثم عادت لم تکلّف ان تعید ثانیۃ حتی یعقبھا اخری غیرھا (مجمع البحار تحت کلمۃ عقب۔

[3] چنانچہ پہلے قبائل بنی تمیم، بنی اسد، بنی عامر

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۱۵) وان المؤمنين المتقين على احسن هدى واقومه

(۱۵) اور یہ مومن متقی بہت بہتر طور و طریق اور نہایت مضبوط اصول پر قائم رہیں گے (اہلِ ایمان اور اہلِ تقویٰ کا فرض ہوگا کہ ان کے اطوار بہتر اور انکے اصول و اخلاق مضبوط ہوں۔

(۱۶) وانه لا يجير مشرك مالاً بقريش ولا نفساً ولا يحول دونه على مومن

(۱۶) اور یہ کہ کوئی مشرک قریش کے کسی مال کی ذمّہ داری نہیں لے گا نہ کسی قریشی کی جان کی ضمانت کریگا (پناہ دیگا) نہ کسی قریشی کی حمایت میں کسی مسلمان کے آڑے آئے گا۔

(۱۷) وانه من اعتبط مومناً قتلاً عن بينة فانه قود بها الا ان يرضى ولى المقتول بالعقل وان المؤمنين عليه كافة ولا يحل لهم الا قيام عليه

(۱۷) جو شخص کسی بے قصور مسلمان کو قتل کر دے گا جس کا بیّنہ (باقاعدہ) شہادت موجود ہو تو اس کے قصاص میں ماخوذ ہوگا (جان کے بدلہ جان دینا ہوگا) البتّہ اگر مقتول کے وارث خون بہا پر راضی ہو جائیں تو خون بہا دینا ہوگا اور تمام مسلمانوں کو جماعتی حیثیّت میں اس اصول کو نافذ کرنا ہوگا جب تک اس پر عمل نہ ہو جائے۔ کسی اور کام میں مشغول ہو جانا مسلمانوں کے لیے درست نہ ہوگا۔

(۱۸) وانه لا يحل لمومن اقر بما في هذه الصحيفة وآمن بالله واليوم الآخر

(۱۸) اور یہ کہ جائز نہیں ہوگا کسی صاحبِ ایمان کے لیے جو اس دستاویز کے مضمون کا اقرار کرے اور جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے یہ کہ کسی فتنہ پرداز کی مدد کرے یا کسی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) افضل مانے جاتے تھے اور ان کے مقابلہ میں قبائل جہینہ، مزینہ، مسلم اور غفار کا درجہ کم تھا، مگر چونکہ یہ قبائل پہلے ہی اسلام سے مشرف ہوئے اور حضراتِ انصار و مہاجرین کے ساتھ خدمات انجام دیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی فضیلت بیان فرمائی اور ارشاد ہوا قريش والانصار و جهينة و مزينة و اسلم و غفار و اشجع میرے مددگار ہیں اور اللہ اور رسول ان کے مددگار ہیں۔ اللہ اور رسول کے علاوہ ان قبائل کا اور کوئی مددگار نہیں ہے۔ (بخاری شریف باب ذکر اسلم و غفار و مزینہ و جہینہ و اشجع صـ۴۹۸)

ان ینصر محدِثاً[1] او یؤویه وانه من نصره او آواه علیه لعنة الله وغضبه یوم القیمة لا یؤخذ منه صرف ولا عدل

فتنہ اٹھانے والے کو پناہ دے (اپنے یہاں ٹھہرائے) اور جو اس کی مدد کرے گا اور اس کو پناہ دے گا (ٹھیرنے کا موقع دے گا) اس پر اللہ کی لعنت، خدا کا غضب قیامت کے روز نہ اس کی توبہ قبول ہو نہ فدیہ (کفارہ)[2]

(۱۹) وانکم بهما اختلفتم فیه من شیءٍ فانّ مَرَدّهٗ الی الله والی مُحَمَّد

(۱۹) اور یہ کہ جب بھی اس عہد نامہ کی کسی کتاب میں اختلاف کرو تو مرجع اللہ ہوگا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) (اس کا فیصلہ ذاتِ اقدس محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے ہوگا۔ جو اس عہد نامہ کے بانی اور معاہدہ کرنے والوں کے سرپرست ہیں اور آپ سے ہی فیصلہ کی اپیل ہوگی)

(۲۰) وان الیهود ینفقون مع المومنین ماداموا محاربین۔

(۲۰) جب تک کسی جنگ کا سلسلہ رہے تو مصارفِ جنگ مسلمانوں کے ساتھ یہود کو بھی برداشت کرنے ہوں گے۔

(۲۱) وان یهود بنی عوف اُمّة مع المومنین للیهود دینهم وللمسلمین دینهم۔ موالیهم

(۲۱) اور یہ کہ بنی عوف کے یہودی اور مسلمان ایک اُمّت ہوں گے۔ یہود کے لیے ان کا دین ہوگا اور مسلمانوں کے لیے ان کا دین (اپنے اپنے مذہبوں میں آزاد رہتے ہوئے تیسرے کے مقابلہ میں ایک متحدہ طاقت ہوں گے) اور جو ان کے

---

[1] محدثا - دال پر زیر جنایت کرنے والا (مجمع البحار) یہ کوئی فتنہ اٹھانے والا - سازش کرنے والا بھی ہو سکتا ہے اور بدعتی یعنی کسی بدعت کا ایجاد کرنے والا بھی ہو سکتا ہے اور اگر دال پر زبر ہو تو مراد فتنہ یا بدعت ہوگی اور یہ مطلب ہوگا کہ کسی صاحب ایمان کے لیے جائز نہیں ہو سکتا کہ کسی فتنہ کو پسند کرے اور اس کو بڑھنے اور پھیلنے کا موقع دے۔ والایواء الرضا عنه وصبره علیه واقرار فاعله (مجمع البحار)

[2] یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ نہ اس کی نفل عبادت قبول ہو نہ فرض (مجمع البحار)

وانفسھم الا من ظلم او اثم فانہ لا یُوْتِغُ الا نفسہ واھل بیتِہ۔	موالی ہیں (آزاد کردہ غلام یا ان کے حلیف اور وہ خود۔ ان سب کے لیے یہی ہے (کہ وہ اپنے دین پر) مگر وہ شخص جو ظلم کرے، کیونکہ ایسا شخص خود اپنے آپ کو اور اپنے اہلِ بیت (متعلقین) ہی کو برباد کرے گا (اسکی بربادی کی ذمّہ داری خود اس پر ہوگی)۔
⑳ ان یھود بنی النجار مثل ما لیھود بنی عوف۔	⑳ یہودی بنی نجار کے لیے بھی وہی شرطیں اور وہی حقوق ہیں جو یہود بنی عوف کے بیان کیے گئے۔

㉓ اس کے بعد یہود بنی الحارث، یہود بنی ساعدہ، یہود بنی جشم، یہود بنی الاوس، یہود بنی ثعلبہ کا نام لیا گیا ہے اور ہر ایک کے متعلق یہ الفاظ دہرائے گئے ہیں۔ مثل ما لیھود بنی عوف۔ ان کو وہی حقوق حاصل ہوں گے جو یہود بنی عوف کے حقوق ہیں۔

آخر میں یہ ہے:

الا من ظلم او اثم فانہ لا یوتغ الا نفسہ واھل بیتہ	مگر وہ شخص جو ظلم کرے یا کوئی جرم کرے، کیونکہ ایسا شخص خود اپنے آپ کو اور اپنے اہلِ بیت (متعلقین) کو برباد کر دے (اس بربادی کی ذمّہ داری خود اس پر ہوگی۔)

㉔ پھر یہ چند تشریحی اور توضیحی دفعات ہیں:

(الف) وان جفنة بطن من ثعلبة	(الف) یہ کہ جفنہ، ثعلبہ کا بطن (ضمنی قبیلہ) ہے۔
(ب) وان لبنی الشطیبة مثل ما لیھود بنی عوف و ان البر دون الاثم	(ب) یہ کہ بنی شطبہ کے وہی حقوق ہیں جو یہود بنی عوف کے (تسلیم کیے گئے) اور یہ کہ ہر (نیکی اور بھلائی) نصب العین اور اصولِ کار ہوگا۔ گناہ اور جرم نہیں۔
(ج) وان موالی ثعلبة کانفسھم	(ج) قبیلہ ثعلبہ کے موالی (حلیف آزاد کردہ غلام) کی حیثیت خود بنی ثعلبہ جیسی ہوگی۔
(د) وان بطانة[1]	(د) یہود کے اہل و عیال ان کے خواص اور ماتحت خاندانوں

---

[1] بطانة الرجل اھلہ وخاصتہ وصاحبہ (قاموس)

یهود کانفسهم

اور افراد کی حیثیت خود یہود جیسی ہوگی (ان کے وہی حقوق ہوں گے جو یہود کے ہیں)

(۵) وانه لا یخرج منهم احد الا باذن محمد۔

(۵) اور یہ کہ جو جس کے ماتحت یا جس کے ساتھ ہے وہ اس سے علیحدہ نہیں ہوگا، مگر محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اجازت سے۔

(۲۵) وانه لا ینحجز علی ثار جرح

(۲۵) اور یہ کہ نہیں بندش لگائے گا کوئی زخم کے قصاص (زخم کے بدلے میں زخم) پر[1]۔

(۲۶) وانه من فتك فبنفسه واهل بیته الا من ظلم و ان الله علی ابر هذا۔

(۲۶) جو کسی کو بے خبری میں دھوکہ سے مار دے اس کی ذمہ داری خود اس پر ہے اور اس کے اہل بیت پر، مگر وہ شخص جس نے ظلم کیا ہو اور ہم اللہ کو حاضر ناظر جان کر عہد کرتے ہیں کہ خوبی اور پوری ذمہ داری کے ساتھ ان شرائط پر عمل کریں گے۔

(۲۷) وان علی الیهود نفقتهم و علی المسلمین نفقتهم

(۲۷) اور یہ کہ یہود اپنے مصارف کے ذمہ دار ہوں گے اور مسلمان اپنے مصارف کے (جو اس عہد نامہ کی شرطوں کو پورا کرتے ہیں، کرنے پڑیں گے)

(۲۸) وان بینهم النصر علی من حارب اهل هٰذه الصحیفة

(۲۸) اور یہ کہ جو فریق اس معاہدہ میں شریک ہیں وہ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے اُن کے مقابلہ میں جو ان معاہدہ کرنے والوں سے جنگ کریں گے۔

(۲۹) وان بینهم النصح والنصیحة والبر دون الاثم۔

(۲۹) اور یہ کہ اس معاہدہ کے تمام فریق آپس میں ایک دوسرے کی خیر خواہی کریں گے۔ ایک دوسرے کو اچھی باتوں کی ہدایت کریں گے۔ نیک کردار رہیں گے، جرم اور گناہ نہیں کرینگے۔

وانه لا یاثم امرؤ بحلیفه وان النصر للمظلوم۔

اور یہ کہ کوئی شخص اپنے حلیف کے ساتھ مجرمانہ فعل نہیں کرے گا اور یہ کہ مظلوم مستحقِ مدد ہوگا۔

---

[1] جب کہ توریت کا حکم تھا کہ زخم کے بدلہ میں اسی جیسا زخم۔ اس اصول کو ختم نہیں کیا جائے گا۔

(۳۰) و ان الیھود ینفقون مع المؤمنین ماداموا المحاربین	(۳۰) اور یہ کہ جب تک کوئی جنگ ہوگی تو مسلمانوں کے ساتھ یہود بھی خرچۂ جنگ برداشت کریں گے۔
(۳۱) وان یثرب حرام جرفھا لاھل ھذہ الصحیفۃ	(۳۱) اور یہ کہ وہ پورا علاقہ جو حدودِ یثرب میں ہے ان سب کے لیے واجب الاحترام (محفوظ علاقہ) ہوگا جو اس عہدنامہ میں شریک ہیں۔
(۳۲) وان الجار کالنفس غیر مضار ولا اثم	(۳۲) اور یہ کہ پڑوسی کو خود اپنی جان کے برابر سمجھا جائے گا نہ اس کو نقصان پہنچایا جائے گا نہ اس کے ساتھ کوئی مجرمانہ فعل کیا جائے گا۔
(۳۳) وانہ لا تجار حرمۃ الا باذن اھلھا	(۳۳) اور یہ کہ نہیں حفاظت اور پناہ میں لیا جائے گا کسی خاتون کو، مگر اس کے اہل (ذمہ دار) کی اجازت سے[1]
(۳۴) وانہ من کان بین اھل ھذہ الصحیفۃ من حدث او اشتجار یخاف فسادہ فان مردہ الی اللہ والی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وان اللہ علی اتقی ما فی ھذہ الصحیفۃ وابرہ	(۳۴) اور یہ کہ اس عہدنامہ کے فریقوں کے درمیان جو کوئی نئی بات پیش آئے یا کوئی نزاع ہو جس سے فساد کا خطرہ ہو تو اس میں اللہ اور محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کیا جائے گا اور یہ کہ ہم سب اللہ کو حاضر و ناظر جان کر عہد کرتے ہیں جو کچھ اس عہدنامہ میں ہے اسکی پوری پابندی کریں گے اور اس کو نیکی اور بھلائی کے ساتھ پورا کرینگے۔
(۳۵) وانہ لا تجار قریش ولا من نصرھا۔	(۳۵) اور یہ کہ نہ قریش کو پناہ دی جائے گی نہ اس کو جو قریش کی مدد کرے۔
(۳۶) وان بینھم النصر علی من دھم[2] یثرب۔	(۳۶) اور یہ کہ اس عہدنامہ کے تمام شریک ایکدوسرے کی مدد کرینگے اسکے مقابلہ میں جو یثرب پر چڑھ آئے (حملہ کرے)

---

[1] مکہ کے مشرکین قریش اس معاہدہ میں داخل نہ تھے۔ لہٰذا جب صلح حدیبیہ کے بعد ان کی عورتیں مسلمان ہو کر مدینہ منورہ پہنچیں تو ان کو پناہ میں لے لیا گیا۔ [2] دھمک غشیک (القاموس)

(۳۷) وانه اذا دعوا الی صلح يصالحونه و يلبسونه فانهم يصالحونه، ويلبسونه وانهم اذا دعوا الٰی مثل ذالك فانه لهم علی المؤمنين الا من محارب فی الدّين ۔

(۳۷) اور یہ کہ اس عہد نامہ کے جملہ فریق جب مسلمانوں کیطرف سے ان کو کسی کے ساتھ صلح کرنے کی دعوت دی جائے گی وہ صلح کریں گے اور صلح پر عمل کرینگے اور یہ کہ جب مسلمانوں اسی جیسی صلح کی دعوت دیجائے تو وہ بھی صلح کرینگے ۔ مسلمانوں پر یہ ان کا حق ہوگا، مگر یہ کہ کسی سے دین کے بارے میں جنگ ہو رہی ہو، (مذہبی جنگ ہو)

(۳۸) علی کل اناس حصتهم من جانبهم الّذی قبلهم ۔

(۳۸) اور یہ کہ ہر فریق پر اس حصّہ کی ذمّہ داری ہے جو اس کی جانب میں ہے ۔

(۳۹) وان يهود الاوس مواليهم و انفسهم علی مثل ما لاهل هذه الصحيفة مع البر المحض من اهل هذه الصحيفة وان البر دون الاثم لا يكسب كاسب الا علی نفسه و انّ الله علی اصدق ما فی هذه الصحيفة وابره

(۳۹) اور یہ کہ قبیلہ اوس کے یہود ان کے موالی (حلیف یا آزاد کردہ غلام) ان کو وہی حقوق ہونگے جو اس عہد نامہ کے تمام فریقوں کو ہوں گے ۔ پوری نیک کرداری اور مخلصانہ بھلائی کے ساتھ نیک کرداری ہی ہمارا اصل اصول ہوگا۔ مجرمانہ فعل (سے کوئی تعلق نہیں ہوگا) ہر ایک عمل کرنیوالا اپنے عمل کا ذمّہ دار ہوگا (اس کے فعل کو کسی دوسرے پر نہیں ڈالا جا سکے گا) اور اللہ تعالیٰ کو ہم حاضر و ناظر جان کر یہ عہد کرتے ہیں کہ جو کچھ اس دستاویز میں لکھا گیا ہے اس پر پوری سچائی سے اور نیک کرداری کے ساتھ عمل کرینگے ۔

(۴۰) وانه لا يحول هذا الكتاب دون ظالم واثم وانه من خرج امن ومن قعد امن بالمدينة الا من ظلم او اثم و انّ الله جار لمن برّ واتقی و محمد رسول الله صلی الله عليه وسلّم ۔

(۴۰) اور یہ کہ یہ تحریر کسی ظالم اور مجرم کے لیے آڑ نہیں بنے گی جو مدینہ سے باہر ہو وہ بھی امن میں اور جو اندر رہے وہ بھی امن میں رہے گا، مگر یہ کہ وہ ظلم کرے یا مجرمانہ حرکت کرے اللہ تعالیٰ اس کا محافظ ہے اور محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اسکے محافظ ہیں ۔ جو نیک کردار رہ کر پوری پابندی کے ساتھ اس پر عمل کرے ۔

قسط : ۱

مصیبتوں کے اسباب

شیخ الاسلام حضرۃ مولانا سیّد حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کے صاحبزادے حضرت مولانا سیّد ارشد مدنی دامت برکاتہم استاذ الحدیث دارالعلوم دیوبند مجلس تحفظ ختم نبوت کی طرف سے منعقد ہونیوالی سالانہ ختمِ نبوّت کانفرنس میں شرکت کے لیے پاکستان تشریف لائے تو حسبِ معمول جامعہ میں قیام فرمایا۔ مورخہ ۱۸ جمادی الاولی ۱۴۱۶ھ / ۱۴ اکتوبر ۱۹۹۵ء بروز ہفتہ بعد عشاء جامعہ میں جلسہ تقسیم انعامات منعقد ہوا۔ اس جلسہ میں حضرت نے مفصل خطاب فرمایا جس میں آپ نے اُمّت پر آنے والی مصیبتوں کے اسباب اور ان سے بچنے کی تدبیر بیان فرمائی۔ حضرت کا یہ خطاب کیسٹ سے نقل کرکے نذرِ قارئین کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا فَعَلَتْ اُمَّتِیْ خَمْسَ عَشَرَۃَ خَصْلَۃً حَلَّ بِھَا الْبَلَاءُ قَالُوْا وَمَا ھِیَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟ قَالَ اِذَا کَانَ الْمَغْنَمُ دُوَلًا وَالْاَمَانَۃُ مَغْنَمًا وَالزَّکٰوۃُ مَغْرَمًا وَاَطَاعَ الرَّجُلُ زَوْجَتَہٗ وَعَقَّ اُمَّہٗ وَبَرَّ صَدِیْقَہٗ وَجَفَا اَبَاہُ۔ وَکَانَ زَعِیْمُ الْقَوْمِ اَرْذَلَھُمْ وَاُکْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَۃَ شَرِّہٖ وَارْتَفَعَتِ الْاَصْوَاتُ فِی الْمَسْجِدِ، وَشُرِبَ الْخَمْرُ وَلُبِسَ الْحَرِیْرُ، وَاتُّخِذَتِ الْقِیَانُ

وَالْمَعَازِفُ ، وَلَعَنَ آخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَوَّلَهَا فَلْیَرْتَقِبُوْا عِنْدَ ذٰلِكَ رِیْحًا حَمْرَآءَ اَوْ خَسْفًا اَوْ مَسْخًا ۔" اَوْ كَمَا قَالَ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ ۔

میرے محترم بزرگو اور دوستو! بڑے لمبے سفر سے صبح ۹ بجے سے چلتے چلتے یہ وقت ہوگیا۔ اس لیے تھکا ہوا ہوں۔ سر میں شدید درد ہے۔ ان کا حکم تھا اور یہ پروگرام پہلے سے تھا اسی پروگرام کی وجہ سے یہاں آنا ہوا ورنہ تو میرا یہ سفر شاید یہاں کا ملتوی ہوجاتا۔ میں نے ایک حدیث پڑھی ہے اس کی تھوڑی سی تشریح چند جملوں کی کر کے میں آپ سے اجازت چاہوں گا۔

مصیبتوں کے پندرہ اسباب

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس حدیث میں ارشاد فرمایا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے کہ میری اُمّت جب پندرہ کام کرنے لگے گی تو حَلَّ بِهَا الْبَلَاءُ مصیبتوں کے پہاڑ اس کے اُوپر ٹوٹنے لگیں گے۔ دشواریاں، مشقتیں، مصیبتیں، آفتیں، ابتلاء اور آزمائشوں کے دروازے کھل جائیں گے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس کی تشریح چاہی کہ وہ پندرہ کام کیا ہیں جن پر خدا کی رحمت کے دروازے بند ہوجائیں گے تو سرکار یہ تو بتایئے کہ وہ کام ہیں کیا پندرہ ؟ تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ترمذی کی حدیث ہے) ایک ایک کر کے بتائے۔ وہ پندرہ کام جو اللہ کو ناپسند ہیں وہ ہوں گے تو رحمت کے دروازے بند ہو جائیں گے، وہ ہوں گے تو مصیبتوں کے دروازے کھل جائیں گے۔ وہ یہ ہیں۔

مالِ غنیمت کو اپنی دولت اور امانت کو مالِ غنیمت سمجھا جانے لگے

فرماتے ہیں : اِذَا كَانَ الْمَغْنَمُ دُوَلًا وَّالْاَمَانَةُ مَغْنَمًا

جہاد فی سبیل اللہ، اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جہاد کرنے والے لوگوں کا حق ہے مالِ غنیمت، لیکن وہ انسان جو بادشاہت امارت کی کرسی پر بیٹھا ہے اس منصب پر ہے وہ انسان اتنا بددیانت ہوجائے کہ اس صاحبِ حق کو حق سے محروم کر کے اس مالِ غنیمت کو اپنی دولت سمجھ کر ہڑپ کرجائے اور اس صاحبِ حق کو محروم کردے اس کے حق سے دوسری چیز فرماتے ہیں وَالْاَمَانَةُ مَغْنَمًا جس کسی کے پاس امانت رکھ دی جائے، ہونا تو یہ چاہیئے کہ امانت، صاحبِ امانت کو واپس کی جائے، لیکن جب امانت انسان کے دل سے اس طرح نکل جائے کہ جس کسی کے پاس امانت رکھ دی صاحبِ حق اپنے حق سے محروم ہوگیا اور جس کے پاس امانت پہنچی اس نے سمجھا کہ یہ میرے ماں باپ کا مال ہے اور وہ

اس مال کو کھا گیا۔ دونوں کا حاصل ایک ہے، تو میری اُمّت کے دل سے امانت نکل جائے گی۔ وہ انسان جو بادشاہت کی کرسی پر بیٹھا ہے اس کے دل میں بھی امانت نہیں اور وہ انسان جو راستے پر چل رہا ہے عام انسان اس کے دل سے بھی امانت کا دیوالہ پٹ گیا ہے۔ وہ آدمی جو کروڑوں کا مالک ہے، ارب پتی ہے۔ سارے ملک کی بادشاہت ہے اس کے دل میں بھی امانت نہیں ہے۔ اور وہ عام انسان جس کے پاس کوئی منصب نہیں اس کے دل میں بھی امانت اس طرح غائب ہے کہ اگر کسی نے کوئی چیز امانت کے طور پر رکھ دی تو اب وہ چیز واپس ہونے والی نہیں ہے

امانت کی اہمیّت

حالانکہ امانت اتنی اہم چیز تھی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَةَ لَهٗ" جس انسان کے دل میں امانت نہیں ہے اس کے دل میں ایمان بھی کامل نہیں ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے تیئس (۲۳) سالہ دورِ نبوّت میں سب سے بڑا اجتماع صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا حجۃ الوداع میں ہوا۔ ستّر ہزار سے لے کر سوا لاکھ تک لوگ بیان کرتے ہیں کہ اجتماع تھا صحابہ اور صحابیات کا۔ آپ نے دسویں تاریخ کو منیٰ میں خطبہ دیا اور محدثین فرماتے ہیں کہ گویا اسلام کے سارے اصول نچوڑ کر آپ نے ان کا لب لباب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سامنے پیش کیا اور ان سے پوچھا بتاؤ هَلْ بَلَّغْتُ ؟ جو اللہ نے مجھے امانت نبوّت کی دی تھی علومِ نبوّت احکام وہ میں نے تمہیں پہنچا دیئے ؟ تو سب نے بیک زبان کہا کہ پہنچا دیئے تو آپ نے اپنی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی فرمایا اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ اے الٰہ العالمین! جو یہ کہہ رہے ہیں گواہ بن جائیے۔ اس کے اندر فرمایا "اَلْاَمَانَةُ مُؤَدَّاةٌ" امانت ایسی چیز ہے جو ادا کی جائے گی۔ جس انسان کے پاس ہے کوئی پیسہ، ہے کسی کی چیز، ہے امانت، امانت ادا کی جائے گی دنیا کے اندر۔ اسلام کا اصول اسلام کا حکم یہ ہے کہ امانت کو ادا کیا جائے۔

دُنیا میں امانت ادا نہ کی تو قیامت کے دن ادا کرنی پڑے گی

حدیث میں فرمایا کہ قیامت کے دن جس نے دُنیا میں امانت میں خیانت کی ہے اللہ کے دربار میں آئیگا، سامنے کھڑا ہو گا۔ اللہ فرمائیں گے اَدِّ الْاَمَانَةَ امانت کو ادا کر، دُنیا کے اندر جس میں خیانت کی تھی۔ کہے گا اَنّٰى يَا رَبِّ وَ قَدْ ذَهَبَتِ الدُّنْيَا کہاں سے ادا کروں الٰہ العالمین! دنیا تو ختم ہو گئی، چلی گئی اب تو کوئی چیز ہے نہیں میرے پاس کہاں سے ادا کروں۔ اللہ کچھ نہیں سنیں گے فرمائیں گے اَدِّ الْاَمَانَةَ دوسری مرتبہ، امانت کو ادا کرو۔ پھر یہی جواب دے گا۔ پھر تیسری مرتبہ فرمائیں گے اَدِّ الْاَمَانَةَ۔ جب کچھ

نہیں ہو پائے گا۔ ادا نہیں کر پائے گا تیسری مرتبہ بھی یہی جواب دے گا اَنّٰی یَا رَبِّ وَقَدْ ذَهَبَتِ الدُّنْیَا لے میرے پروردگار کہاں سے ادا کروں دُنیا تو چلی گئی۔ فرمائیں گے لے جاؤ جہنّم میں ڈال دو۔ لیکن اُمّت پر ایسا وقت آجائے کہ صاحب امت رسول جب امانت کو اتنے اہتمام سے بیان کر کے جا رہا ہے۔ اُمّت کے اندر سے امت کا دیوالہ پٹ جائے۔ امانت ڈرہ جائے جس کا مطلب یہ ہے کہ رحمت کے دروازے بند ہوا چاہتے ہیں، دو چیزیں ہوگئیں۔

زکوٰۃ کو ٹیکس سمجھا جانے لگے

تیسری چیز فرماتے ہیں "وَالزَّكٰوةُ مَغْرَمًا" زکوٰۃ ایک ٹیکس بن جائے اور جس طرح دنیا کے اندر ٹیکس کی چوری ہوتی ہے اسطرح زکوٰۃ کی چوری ہونے لگے، حالانکہ وہ فقیر جس کا حق مال کے اندر رکھا اور چالیسواں حصّہ زکوٰۃ کا اس کے لیے لیا اور یہ دولت مند، ماں کے پیٹ سے دونوں ہاتھ خالی آئے تھے۔ یہ تو اللہ کا احسان ہے کہ ایک کو فقیر اور دوسرے کو دولت مند بنا دیا اور اس دولت مند کے مال میں سے اس فقیر کو چالیسواں حصّہ دیا اور یہ فرمایا کہ انسان جب صدقہ دیتا ہے۔ غریب کے ہاتھ میں رکھتا ہے تو قبل اس کے کہ اس کی ہتھیلی پر پہنچے اللہ کے یہاں قبولیّت حاصل کرلیتا ہے، لیکن انسان کا حال ایسا ہو جائے کہ وہ اس زکوٰۃ کو جو فقیر کا حق ہے خدا کی دی ہوئی دولت میں اس کو ایک ٹیکس سمجھنے لگے اور اس کی چوری کرنے لگے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس انسان کا مقصودِ حیات اور اکبرِ ھَمّ" (بڑی فکر) صرف دُنیا ہے اور کوئی چیز نہیں ہے۔ آخرت سے غافل ہے، فقیر کا حق کھا رہا ہے۔ حالانکہ خدا نے بے شمار دولت دی ہے اور اس دولت کے اندر سے فقیر کا کتنا حصّہ ہے سو پیسے میں سے ڈھائی پیسے، لیکن یہ اتنی کم مقدار بھی فقیر کو دینے کے لیے تیار نہیں ہے۔ فرماتے ہیں جب یہ حال ہو تو اب خدا کی رحمت کے دروازے بند ہوا چاہتے ہیں۔

بیوی کی اطاعت، ماں کی نافرمانی، دوست سے حسنِ سلوک، باپ سے زیادتی کی جانے لگے

آگے چار چیزیں بیان فرماتے ہیں" وَاَطَاعَ الرَّجُلُ زَوْجَتَهٗ وَعَقَّ اُمَّهٗ وَبَرَّ صَدِيْقَهٗ وَجَفَا اَبَاهُ" اور مرد اپنی بیوی کی اطاعت کرنے لگے اور اپنی ماں کو ٹھوکر مار دے۔ وَبَرَّ صَدِيْقَهٗ وَجَفَا اَبَاهُ اور اپنے دوست کے ساتھ تو حسن معاملہ کرے اور اپنے باپ کے اُوپر ظلم کرنے لگے۔ ماں کے پیٹ سے جنم لیا۔ اس کی چھاتی سے دودھ پیا، اس ماں نے پرورش کی، بیاہ کر کے گھر میں بہو لے کر آئی۔ آج وہ بیٹا جس سے ماں باپ کی امیدیں وابستہ ہیں کہ بڑھاپے

میں یہ لاٹھی بنے گا سہارا بنے گا۔ اس احسان فراموش کا حال یہ ہے کہ ماں باپ کو ٹھوکر مار رہا ہے۔ بیوی اور دوست کو گلے لگا رہا ہے۔

والدین کے حقوق کی اہمیّت ماں باپ کا حق اتنا اہم حق ہے کہ اللہ نے ماں باپ کے حق کو اپنے حق کے ساتھ ملا کر قرآن میں ایک دو جگہ نہیں کئی جگہ بیان فرمایا ہے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰہَ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا۔ ہم نے بنو اسرائیل سے عہد لیا تھا۔ کیا؟ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰہَ اللہ کے سوا کسی کی پرستش نہیں کرو گے اور دوسری چیز وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو گے۔

وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا۔ اللہ اپنے حق کے ساتھ ملا کر ماں باپ کے حق کو بیان کر رہا ہے۔

نبیِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسّلام سے ایک شخص نے سوال کیا یا رسول اللہ میری ماں بوڑھی ہو گئی محتاج ہے بالکل۔ میں اس کی خدمت کرتا ہوں۔ ایک زمانہ تھا جب میری ماں خدمت کرتی تھی اور میں لاچار تھا بچپن میں آج وہ لاچار ہے بڑھاپے میں میں اس کی خدمت کر رہا ہوں۔ کیا ماں کا حق جو میرے اوپر تھا وہ ادا ہو جاتے گا؟ فرمایا کہ نہیں، کیوں؟ فرمایا کہ جب وہ تیری خدمت بچپن میں کرتی تھی تو اس کے دل کے ارمان تھے زبان سے دعا تھی ماں کی کہ الٰہ العالمین! میرے بچے کی عمر کو بڑا طویل فرما۔ بڑی لمبی عمر دے اس کو۔ دولت دے، عزّت دے، آبرو دے، اولاد دے، دھن دے، دولت دے۔ یہ دعا کرتی تھی اور آج تو اس کی خدمت کرتا ہے اور دُعا کرتا ہے کہ الٰہ العالمین! ایمان کے ساتھ اسے دُنیا سے اٹھا لے۔ دیکھ اس کے جذبہ میں خدمت کرتے ہوئے اور تیرے جذبہ میں کتنا زمین آسمان کا فرق ہے؟ کیسے دونوں برابر ہو جائیں۔ لیکن جب زمانہ ایسا آجائے کہ انسان ماں کے مقابلے میں بیوی کو، دوست کے مقابلے میں باپ کو کوئی مقام نہ دے، کوئی اہمیّت نہ دے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی آنکھ سے دیکھ کر ماں باپ کے احسان کو ٹھکرا رہا ہے اللہ کے احسان کو کیا ادا کرے گا۔

حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دُنیا بدلہ کا گھر نہیں ہے۔ یہاں انسان قتل کرتا ہے، ظلم کرتا ہے، دندناتا ہے دُنیا کے اندر، کیوں؟ اس لیے کہ دنیا بدلہ کا گھر نہیں ہے انسان نے یہاں ظلم کیا۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ سزا یہیں مل جائے، قتل کیا یہ ضروری نہیں ہے کہ یہیں سزا مل جائے۔ سزا

جہاں ملے گی وہ جگہ دوسری دنیا ہے جس کو آخرت کہتے ہیں، لیکن فرمایا کہ ماں باپ کے حق کو ضائع کرنا تلف کرنا یہ ایسا گناہ ہے کہ جس کی سزا جو وہاں ملے گی ملے گی اس دنیا میں بھی مل جائے گی۔ اللہ کو پسند نہیں ہے کہ ماں باپ کے ساتھ بُرا معاملہ کیا جائے اگر کیا ہے تو اس دنیا کے اندر (اس کی سزا مل جائے گی) اور اس کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ انسان نے اپنے ماں باپ کے ساتھ بُرا سلوک کیا۔ اس کی اولاد اس کے ساتھ وہی سلوک کر رہی ہے۔

دیوبند کا ایک واقعہ

دیوبند کا ایک واقعہ ہے۔ ایک بڑے میاں تھے بازار میں کہنے لگے یہ میرے سامنے دوکاندار ہے۔ مَیں نے دیکھا ہے کہ بوڑھا آدمی، مَیں نے دیکھا کہ اس بوڑھے آدمی نے میرے سامنے اپنے باپ کو مارا اور اس کا باپ بوڑھا اس نالی میں گر گیا، باپ مر گیا بعد میں۔ کہتے ہیں کہ اب اس بوڑھے کے یہاں کوئی اولادِ نرینہ نہیں تھی۔ لڑکیاں ہی لڑکیاں تھیں۔ بے پڑھا لکھا آدمی یہ جو بیان کر رہا تھا کہنے لگا مَیں یہ سوچتا تھا کہ عالموں میں سے نے سُنا ہے کہ ماں باپ کے ساتھ جو بُرا سلوک کرتا ہے اسے دنیا میں اس کا پھل ملتا ہے اولاد اس کے ساتھ وہی سلوک کرتی ہے۔ مَیں سوچتا تھا کہ اس کا تو کوئی لڑکا ہے ہی نہیں اس کو اس کا بدلہ کہاں سے ملے گا؟ کہنے لگا مَیں نے اپنی آنکھ سے دیکھا کہ کل اس کی لڑکی آئی اور اس نے مارا اور جس طرح اس کا باپ نالی میں گرا تھا اسی طرح مَیں نے اسے گرتے ہوئے دیکھا۔

ماں باپ کا احسان تو بڑا عظیم احسان ہے اس کا کوئی دُنیا میں بدلہ ہو ہی نہیں سکتا۔ اسی لیے فرماتے ہیں کہ جب ان کے ساتھ معاملہ خراب ہونے لگے اس کا مطلب یہ ہے کہ رحمت کے دروازے بند ہو رہے ہیں۔

آدمی کی عزّت اس کے شر کے خوف سے کی جانے لگے

آگے فرماتے ہیں "وَ اُکْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّہٖ" ہونا تو یہ چاہیئے کہ مسلمان کے معاشرے میں اتنی طاقت ہوتی کہ اگر کوئی ظالم اس معاشرے میں پنپنا چاہتا تو اس کے گلے کو پکڑتے، اس کے گریبان کو پکڑتے، اس کی گردن کو دباتے، اس کے شر سے دنیا کو محفوظ رکھتے، لیکن جب معاشرہ اتنا بے جان ہو جائے۔ مسلمان کا کہ ظالم کی آنکھ میں آنکھ ڈالنے والا کوئی نہ رہے، بلکہ آنکھ ڈالنا تو بڑی بات ہے آدمی جھک کر سلام کرلے۔ یہ سلام احترام اور عزّت کا نہیں، بلکہ سلام اس لیے ہے کہ کہیں اگر سلام نہ

کیا تو کل اس کے ظلم کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان کا معاشرہ تباہ ہو گیا۔ کسی ظالم، بدعمل، بدکردار انسان کو اس معاشرے سے ہٹایا نہیں جا سکتا۔

قوم کا سردار انتہائی ذلیل آدمی بن جائے

اس کے بعد فرماتے ہیں : "وَکَانَ زَعِیْمُ الْقَوْمِ اَرْذَلَھُمْ" قوم کا سردار (ذلیل و گھٹیا) انسان بنے جس کے دل میں خوفِ خدا نہ ہو۔

مسجدوں میں آوازیں بلند ہونے لگیں

فرماتے ہیں : "وَارْتَفَعَتِ الْاَصْوَاتُ فِی الْمَسَاجِدِ" مسجد خدا کا گھر ہے۔ اس کے احترام کا حکم دیا (گیا ہے) اور احترام بھی ایسا کہ اس کے اندر باتیں کرنا، دنیا کی باتیں کرنا انسان کے لیے حرمان کا سبب ہے۔ حدیث میں آیا ہے دنیا کی باتیں مسجد میں کرنا انسان کی نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ زنگ کو کھا جاتی ہے۔

جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کی طہارت کا، مسجد کی صفائی کا بڑا خیال فرماتے تھے۔ حدیث میں آتا ہے کہ آپؐ نے مسجد کی دیوار پر دیکھا بلغم لگا ہوا ہے۔ کسی شخص نے تھوک دیا چاہے مُنہ سے تھوک دیا یا ناک سے نکال کر تھوک دیا۔ آپ نے دیکھا تو چہرۂ انور کا رنگ بدل گیا۔ آپ خود اٹھے اور اپنے دستِ مبارک سے اسے صاف کیا اور اس کے بعد فرمایا کسی کے پاس اگر خوشبُو ہو تو لے کر آؤ۔ ایک انصاری دوڑ کر اپنے گھر گئے اور وہاں سے عطر اور خوشبو لے کر کے آئے۔ آپ نے اس خوشبُو کو اس کے اوپر لگایا، کیوں ؟ اس لیے کہ یہ خدا کا گھر ہے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آسمانوں کے رہنے والے فرشتوں کی نظریں دنیا میں مسجدیں ستاروں کی طرح اس طرح سے چمکتی ہیں جیسے دنیا والوں کی نظریں آسمان پر ستارے چمکتے ہیں۔ مسجدوں میں خدا کا ذکر ہوتا ہے، لیکن جب زمانہ ایسا آجائے کہ خدا کے اس گھر کا احترام ختم ہو جائے اور جس طرح بازاروں میں آوازیں اٹھتی ہیں اس طرح آوازیں خدا کے اس گھر میں اٹھنے لگیں۔

شراب خوری اور ریشمی لباس پہنا جانے لگے

فرماتے ہیں : "وَ شُرِبَ الْخُمُوْرُ وَلُبِسَ الْحَرِیْرُ" اور شراب پی جانے لگے، حالانکہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں شراب حرام ہے۔ اتنا غصہ اور اتنی حرمت جتنی شراب کا اور سود کی حدیث میں آتی ہے اور برائی بیان کی گئی ہے دوسری چیزوں کی اتنی برائی بیان نہیں کی گئی۔ فرماتے

ہیں کہ شراب بنانے والے پر خدا کی لعنت، شراب بیچنے والے پر خدا کی لعنت، پی نہیں رہا ہے، بنا نہیں رہا ہے۔ ایک شخص کاؤنٹر پر کھڑا ہے۔ بیچتا ہے۔ مالک کا ملازم ہے۔ فرماتے ہیں لعنت ہے خدا کی، شراب خریدنے والے پر خدا کی لعنت۔ خود نہیں پی رہا ہے کسی شخص نے کہہ دیا کہ میرے لیے لے کر کے آنا لاہور سے، جو لینے کے لیے آیا ہے نہ پیتا ہے، نہ بناتا ہے دوسرے کے لیے واسطہ بنا ہے فرماتے ہیں لعنت ہے جو پیتا ہے اس پر خدا کی لعنت۔

نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شراب اور دودھ کے برتن پیش کیے گئے

نبیؐ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جبرئیل امین نے (معراج کے موقعہ پر) دو برتن لاکر پیش کیے۔ ایک کے اندر شراب اور ایک کے اندر دودھ۔ فرماتے ہیں دودھ کا برتن انتہائی صاف برتن اور یہ کہا کہ آپ ان دونوں میں سے جو چاہیں اسے اختیار فرمالیں۔ چاہے آپ برتن دودھ کا اٹھالیں چاہے آپ شراب کے برتن کو اٹھالیں۔ نبیؐ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دودھ کو اٹھایا۔ فرمایا بڑا اچھا ہوا اگر آپ شراب کو اٹھا لیتے تو آپ کی امّت گمراہ ہوجاتی۔

جتنی شراب سے نفرت اسلام نے پیدا کی ہے آج معاشرے کے اندر وہ نفرت نہیں ہے۔ مَیں تو ایک ایسے ملک میں رہتا ہوں جہاں مسلمان بہت کم ہیں، لیکن مَیں دنیا کو دیکھتا ہوں آپ اس ملک میں رہتے ہیں شراب کی نفرت مسلم معاشرہ میں نہیں ہے۔ کیا ہوگا خدا کی رحمت آئیگی؟

بجنور کا قصّہ

میرے یہاں ایک جگہ ہے بجنور یو۔پی میں وہاں ایک جگہ ہے سیوہارہ جہاں کے مولانا حفظ الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے سیوہاروی۔ وہاں جمعیۃ علماء یو۔پی کے صدر تھے مولانا جلیل صاحب وہ فرمانے لگے کہ ایک شراب کا ٹھیکیدار جس کی دکان ہے ہندو وہ کہتا تھا کہ مولوی صاحب! میری شراب "ہولی" میں اتنی نہیں بکتی جتنی محرم میں بکتی ہے۔ کون پیتا ہے محرم میں۔ ہندو تو نہیں پیتا مسلمان پیتا ہے۔ کوئی ملک ایسا نہیں ہے۔ یہ تو میں ہندوستان کی بات آپ کو بتا رہا ہوں، لیکن کوئی ملک، ابھی کسی جگہ شادی تھی آپ کے یہاں اسی شہر میں تو مجھ کو کوئی صاحب کہتے تھے کہ شراب پانی کی طرح لوگوں کو پلائی جارہی تھی۔ مسلمان اور شراب؟

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کو حرام قرار دیا ہے اور جب شراب عام ہوجائے گی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی رحمت کے دروازے بند۔ اسی کو فرماتے ہیں۔ حَلَّ بِھَا الْبَلَاءُ۔

فرماتے ہیں وَلُبِسَ الْحَرِیْرُ اور حریر ریشم پہنا جانے لگے، نہ کھانے پینے کے اندر حلال و حرام کی تمیز نہ پہننے برتنے میں حلال و حرام کی تمیز۔

گانے والیوں اور گانے بجانے کو اپنایا جانے لگے

فرماتے ہیں: وَاتُّخِذَتِ الْقِیَانُ وَ الْمَعَازِفُ قَیْنَۃٌ کہتے ہیں گانے والیوں کو وَالْمَعَازِفُ مِعْزَفٌ ان چیزوں کو کہا جاتا ہے جن کے اوپر گایا جاتا ہے۔ جو باجے ہیں ان کو کہا جاتا ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ جب اُمت اختیار کرلے گانے والیوں کو اور ان چیزوں کو جن پر گایا جاتا ہے۔ یہ چیزیں اس زمانہ میں اُمت نے جتنی اپنائیں اور ان کا اپنانا جتنا آسان آج ہے اس سے پہلے نہیں تھا۔ آدمی جہاں بیٹھا ہے گھر کے اندر ہے، دوکان پر ہے، گھر سے باہر ہے، اپنی گاڑی کے اندر ہے، پکنک کے لیے جہاں ہے اس کے لیے گانا اور گانے والیاں اختیار کرنا اپنانا کوئی چیز نہیں، کونسا گھر ایسا ہوگا کہ جس کے اندر وہ چیزیں نہیں ہیں کہ جن سے گانے والیوں کے گانے اور معازف جن پر گایا جاتا ہے وہ نہیں ہیں؟ سوچیے آپ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس چیز کو چودہ سو سال پہلے بتا رہے تھے آج اُمت میں وہ چیزیں کتنی پائی جاتی ہیں۔ ایک تو یہ معنی ہیں اس کے ایک اور بھی معنی ہیں۔ وَاتُّخِذَتِ الْقِیَانُ گانے والیوں کو اپنایا جانے لگے۔ وہ کیا؟

بیوی کے انتخاب میں دین کو ترجیح دینے کی تاکید

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان اپنے لیے بیوی کا انتخاب کرتا ہے یا تو حسن و جمال کی وجہ سے یا دولت کی وجہ سے یا حسب و نسب کی وجہ سے۔ فرمایا دیکھ تو اپنے لیے بیوی کو اختیار کرنا دین کی وجہ سے۔ ترجیح دین کو دینا۔ کیوں؟ اس لیے کہ تیرے گھر میں بیوی دیندار ہے تو جو بچہ تیرا اس کے پیٹ سے جنم لے گا وہ خدا کا خوف لے کر پیدا ہوگا۔ اگر تو یہ چاہتا ہے کہ تیرے گھر میں دین کی روشنی رہے تو بنیادی چیز یہ ہے کہ اپنے لیے رفیقۂ حیات بھی ایسی لا جس کے دل میں خوفِ خدا ہو۔ فرماتے ہیں کہ جب زمانہ ایسا آجائے کہ دین کی کوئی قدر نہ رہے، بلکہ آدمی یہ دیکھے کہ گانے والی، ناچنے والی سب سے اچھی کونسی ہے اس کا انتخاب کیا جاتے گا۔ آپ سوچیے کہ کیا مسلم معاشرے میں چیز نہیں پائی جاتی اور کتنی پائی جاتی ہے؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے واقعات

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ جب

امیر المؤمنین تھے۔ باہر نکلتے تھے رات میں مدینہ منورہ میں اور گھروں کے پاس کھڑے ہو کر سنتے تھے کہ کیا ہو رہا ہے گھروں کے اندر۔ ایک مرتبہ آتا ہے کہ نکلے تو کوئی خیمہ لگا ہوا تھا اس میں سے آواز آ رہی تھی جا کر کھڑے ہو گئے۔ معلوم کیا کیا بات ہے کون ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ کون ہے۔ کوئی باہر نکلا کیا بات ہے؟ کہا ولادت کا مسئلہ ہے اور کوئی ہے نہیں جو مدد کرے۔ اچھا گئے اپنی بیوی کو لیا۔ فرمایا کوئی چیز کھانے کی لے لو۔ کچھ گھی اور کچھ سوکھے ٹکڑے جو تھے لے کر بیوی کو چلے آئے اور بیوی کو اندر پہنچا دیا۔ خود اس شخص کے ساتھ جس کو نہیں جانتے اور نہ وہ ان کو جانتا ہے بیٹھ گئے۔ باتیں کرنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد گھر میں سے بیوی نے کہا: "یا امیر المؤمنین اَبْشِرْ صَاحِبَکَ رَزَقَہُ اللّٰہُ وَلَدًا"۔ امیر المؤمنین اپنے ساتھی کو بشارت خوشخبری سنا دیجئے۔ اللہ نے اس کو ولد عطا فرمایا ہے۔ اب پتہ چلا کہ امیر المؤمنین ہیں۔ ان کا مزاج اور عادت تھی کہ نکلا کرتے تھے۔

تاریخ میں آتا ہے کہ ایک گھر کے اندر سے رات میں کچھ آواز آئی۔ جا کر دروازے پر کھڑے ہو گئے۔ ٹوٹا پھوٹا سا مکان تھا تو گھر کے اندر سے آواز آئی کہ ماں اپنی بیٹی سے کہہ رہی ہے کہ جانور کا دودھ نکال لے۔ بیٹی اٹھی اور اس نے دودھ نکال لیا تو ماں نے بیٹی سے کہا زِدِیْ فِیْہِ الْمَآءَ اس میں پانی ملا دے دودھ میں۔ تو بیٹی نے کہا ماں سے اَلَا تَخَافِیْنَ عُمَرَ۔ ماں کیا امیر المؤمنین عمرؓ سے ڈر نہیں لگتا، تو ماں نے کہا لَا یَرَانَا عُمَرُ۔ عمر ہمیں دیکھ تھوڑا ہی رہا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سن رہے تھے تو بیٹی نے کہا اِنْ لَّا یَرَانَا عُمَرُ فَرَبُّ عُمَرَ یَرَانَا اگر عمرؓ نہیں دیکھ رہا ہے تو عمرؓ کا اللہ تو دیکھ رہا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر چلے گئے۔ صبح لوگوں سے کہا کہ دیکھو کہاں ہے؟ کس کا گھر ہے؟ کون ہے؟ جا کر دیکھا تو پتہ چلا کہ کوئی عورت ہے۔ کس خاندان کی ہے یہ پتہ نہیں۔ کہاں کی رہنے والی ہے یہ پتہ نہیں۔ ایک عورت ہے اور اس کی ایک لڑکی ہے اور ان کی گزر اوقات کسی چیز کے اوپر نہیں ہے۔ ایک جانور ہے اسی کے دودھ کو نکالتی ہیں کھاتی ہیں اسی کو بیچتی ہیں۔ فرمایا میرے لڑکے کا رشتہ اس لڑکی سے لے کر کے جاؤ۔ ایسا بادشاہ اور ایسے طنطنے کا بادشاہ کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ فرماتے ہیں کہ اگر عمرؓ کو گلی میں آتے ہوئے شیطان دیکھ لیتا ہے تو راستہ کترا جاتا ہے۔ وہ اگر چاہتے تو بڑے سے بڑے بادشاہ کی لڑکی کو لا سکتے تھے بہو بنا کر کے، لیکن نہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ کی تربیت فرمائی تھی۔ ان کی نظر میں دنیا اور دنیا کی دولت کوئی چیز نہیں تھی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کو اختیار کیا۔ اربابِ سیرؒ لکھتے ہیں کہ اسی لڑکی کے

پیٹ سے جو نسل چلی ہے اس میں حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے ہیں - ایسا تابعی کہ جس کے قول کو محدثین سند کے طریقے پر پیش کرتے ہیں - ایسا انسان اس لڑکی کے پیٹ سے جو رشتہ چلا ہے ـــــــ جو سلسلہ چلا ہے اس سے پیدا ہوئے ہیں تو یہ ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عورت کو اختیار کرو دین دیکھ کر کے - اب تو زمانہ یہ ہے کہ اگر کسی گھر میں لڑکی انتہائی عفت، حیا کے ساتھ، صرف قرآن کی تعلیم کے ساتھ زندہ ہے تو وہ گھر کی لڑکیاں اپنی عمر کو گنوا رہی ہیں - رشتے میسر نہیں ہیں اور وہ بے حیا لڑکیاں جو بے پردہ سرِ راہ بازاروں کے اندر پھرتی ہیں ان کو اختیار کرنے کے لیے لڑکے تیار ہیں، لیکن خاندانوں کے اندر ان لڑکیوں کی کوئی قدر نہیں کرتے - کہاں سے خدا کی رحمت اتر جائے ؟

(بقیہ : درسِ حدیث)

کر رہا ہے وہ اتنے بڑے گناہ میں مبتلا ہے اور پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی توبہ کی فضیلت بتلائی ہے کہ انہیں بلا تاخیر کے جنّت میں داخلہ مل گیا - ممکن ہے کہ بلا حساب ہی داخلہ ہو گیا ہو، کیونکہ اس نے بہت تکلیف یہاں اٹھائی اور وہ اقرار کرتا ہی ہوا یہاں سے رخصت ہوا وہ استغفار کرتا ہوا ہی رخصت ہوا - ممکن ہے اس کا حساب ہی نہ ہوا ہو اور اس کو اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا ہو اور جو پسند آجائے اللہ کو تو جتنا چاہے اللہ بڑھا دے اسے اور جو چاہے اسے عطا فرما دے - آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاح فرمائی ہے ان کی کہ ایسے مسئلے کی بات تو ٹھیک ہے کہ آدمی کو چاہیئے یہی کرنا، لیکن اگر ایسا موقع ہو اور اس طرح سے کوئی آدمی کر رہا ہو اور سزا پا رہا ہو اور آخرت میں جا رہا ہو اس کے بارے میں بدزبانی کی گنجائش کوئی نہیں رہتی -

اسے بُرے الفاظ سے یاد نہیں کیا جا سکتا - اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی سمجھ اور اس کی حکمتیں اور اس کا علم عطا فرمائے - آمین -

مَیں سچ کہتا ہُوں

مجھ کو حق والوں سے ہے پیار مَیں سچ کہتا ہوں
جھوٹ بولوں تو گنہگار مَیں سچ کہتا ہوں

سچ کے باعث سرِ مقتل مجھے لے آئے ہیں
مری گردن پہ ہے تلوار مَیں سچ کہتا ہوں

اس کی صحت کے لیے کوئی مسیحا ڈھونڈو
آج کا دَور ہے بیمار مَیں سچ کہتا ہوں

بخت تیرے نہ ہوں بیدار یہ ناممکن ہے
دل جو پہلو میں ہو بیدار مَیں سچ کہتا ہوں

ظلمتِ شب سے ہے خورشید نکلنے والا
نظر آتے ہیں یہ آثار مَیں سچ کہتا ہوں

مِہر کو ماہ کو تاروں کو گلوں کو دیکھو
یہ اُنھی کا تو ہے دیدار مَیں سچ کہتا ہوں

اپنا غم آپ ہی کھا تب ہی رہے گا زندہ
کوئی تیرا نہیں غمخوار مَیں سچ کہتا ہوں

موت کا زلزلہ آیا تو یہ ڈھ جائے گی
زیست ہے مٹی کی دیوار مَیں سچ کہتا ہوں

سرد مہری تیری لے ڈوبے گی اے حاکمِ وقت
گرم ہے ظُلم کا بازار مَیں سچ کہتا ہوں

کوئی قائد ہو کہ قاضی کوئی حاکم ہو کہ شیخ
سب ہیں ایماں کے خریدار مَیں سچ کہتا ہوں

جس عبادت کو تو فردوس کی قیمت سمجھے
وہ عبادت تو ہے بیکار مَیں سچ کہتا ہوں

حوصلہ ہے نہ قناعت نہ مروّت نہ سکون
اہلِ دولت تو ہیں نادار مَیں سچ کہتا ہوں

سب یہ کہتے ہیں ایسے سچ کی سزا ہے سولی
میں ہوں سولی کا سزاوار مَیں سچ کہتا ہوں

سیّد امین گیلانی

شخصیات　　قسط : ۲

علامہ ظہیر احسن شوق نیموی رحمہ اللہ

مولانا محمد ثنار الہدیٰ قاسمی استاذ مدرسہ احمدیہ ابا بکر پور ویشالی

آثار السنن کا اسلوب

آثار السنن کا اسلوب مقدسی کی کتاب العمدۃ، ابن تیمیہ کی منتقیٰ، حافظ ابنِ حجر کی بلوغ المرام اور خطیب تبریزی کی مشکوٰۃ جیسا ہے، لیکن نقدِ رواۃ اور بحث جرح و تعدیل میں اس کتاب کا اپنا ایک مقام ہے جو اس کو ان کتابوں کے ساتھ ساتھ زیلعی کی نصب الرایہ، مرتضیٰ بلگرامی کی عقود الجواہر المنیفہ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی فتح المنان سے بھی ممتاز کرتی ہے، لیکن ان تمام کتابوں میں آثار السنن کا اسلوب بلوغ المرام سے زیادہ قریب ہے۔ علامہ نیموی رح نے دل کھول کر اس سے استفادہ بھی کیا ہے۔ ۵۲ ایسی حدیثیں بھی آثار السنن میں درج کی ہیں جو بلوغ المرام کے متعلقہ ابواب میں موجود ہیں، البتہ نقد رواۃ اور جرح و تعدیل میں حافظ رح سے محققانہ طور پر اختلاف کیا ہے، اس قبیل کی چند مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:

باب سترۃ المصلی میں حافظ ابنِ حجر رح نے حضرت ابوہریرہ رض کی حدیث "فلیخطط خطا ثم لا یضرہ مامر امامہ" کو نقل کرنے کے بعد فرمایا :

"اخرجہ احمد وابن ماجۃ و صححہ ابن حبان ولم یصب من زعم انہ مضطرب بل ھو حسن[1]"

احمد اور ابنِ ماجہ نے اس کی تخریج کی، ابنِ حبان نے صحیح قرار دیا اور ان لوگوں کا خیال صحیح نہیں جنھوں نے

---

[1] بلوغ المرام ص ۱۹

اسے مضطرب سمجھا، بلکہ وہ حسن ہے۔

علامہ نیموئیؒ نے اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے حافظ ابن حجرؒ سے سخت اختلاف کیا اور لکھا:

"والعجب من الحافظ ابن حجر حیث قال فی بلوغ المرام، صححه ابن حبان ولم یصب من زعم انه مضطرب بل هو حسن قلت فی سنده ابو عمرو بن محمد بن حریث قال الذهبی لا یعرف وقال فی التقریب مجهول ... قلت وجهالته تکفی لضعف هذا الحدیث[1]"

اور حافظ ابنِ حجرؒ پر تعجب ہے کہ انہوں نے بلوغ المرام میں یہ فرمایا ہے: صححه ابن حبان ولم یصب من زعم انه مضطرب بل هو حسن - میں کہتا ہوں کہ اس سند میں ابو عمرو بن محمد حریث ہیں جن کے بارے میں ذہبی لا یعرف کہتے ہیں اور تقریب میں ان کو مجہول لکھا ہے۔ اس حدیث کو ضعیف قرار دینے کے لیے راوی کا مجہول ہونا کافی ہے۔

اس کے بعد علامہ نیمویؒ نے ایک طویل بحث اس حدیث کے مضطرب ہونے کے سلسلے میں کی ہے اور خلاصۂ کلام کے طور پر لکھا:

فهذا الکلام یشیر الی ان هذا الحدیث لیس بصالح عند ابی داؤد ایضاً، فالحاصل ان حدیث الخط لا یصح وان ذهب ابن حبان الی تصحیحه والحافظ الی تحسینه[2]"

یہ تمام بحثیں اس بات کی طرف مشیر ہیں کہ یہ حدیث ابوداؤد کے نزدیک بھی "صالح" نہیں ہے خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حدیثِ خط صحیح نہیں ہے اگرچہ ابن حبان نے اس کی تصحیح کی ہے اور حافظ نے تحسین کی۔

ایک دوسری جگہ باب صفة الصلوٰة میں حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث "ولیضع یدیه ثم رکبتیه" کے ذکر کرنے کے بعد حافظ نے لکھا:

وهو اقوی من حدیث وائل بن حجر رأیت النبی صلی الله علیه وسلم اذا سجد وضع رکبتیه قبل یدیه ... فان للاول شاهداً من حدیث ابن عمر رضی الله عنه صححه ابن خزیمة وذکره البخاری معلقاً موقوفاً[3]

---

[1] تعلیق الحسن علی هامش آثار السنن للنیموی ۱/۷۰ [2] ایضاً [3] بلوغ المرام ص۳۵

اور وہ حدیث وائل بن حجرؓ " رایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا سجد وضع رکبتیہ قبل یدیہ سے زیادہ قوی ہے، اس لیے کہ پہلی حدیث (حضرت ابوہریرہؓ والی) کے لیے ابن عمرؓ والی حدیث متابع ہے۔ ابنِ خزیمہ نے اس کی تصحیح کی ہے اور بخاری نے معلقاً موقوفاً ذکر کیا۔

جب کہ علامہ نیمویؒ نے حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث کو معلول قرار دیا اور تعلیق الحسن میں طویل بحث کرنے کے بعد لکھا:

"فحاصل الکلام ان مازعمه الحافظ ان حدیث ابی هریرة اقوی من حدیث وائل بن حجر لیس بصواب بل الحق ما قاله الخطابی (وهو حدیث وائل بن حجر اثبت من هذا)[1]"

خلاصۂ کلام یہ کہ حافظ ابن حجرؒ نے حدیث ابوہریرہؓ کو جو وائل بن حجر کی حدیث سے اقویٰ کہا ہے وہ درست نہیں ہے، بلکہ درست وہی ہے جو خطابی نے کہا ہے۔ (کہ وائل بن حجر کی حدیث اس حدیث سے زیادہ صحیح ہے)

علامات کا استعمال

بلوغ المرام کی طرح علامہ نیمویؒ نے بھی کتابوں کے حوالہ دینے کے لیے علامات کا استعمال کیا ہے اور وہ حافظ کی ہی مقرر کردہ علامتوں کو کچھ زیادہ سہل اور ہلکے تغیر کے بعد اپنایا ہے۔ لکھتے ہیں:

"اقتصرت فی کثیر من المواضع علی العلامة فالشیخان للبخاری و مسلم والثلاثة لابی داؤد والنسائی والترمذی والاربعة للثلاثة مع ابن ماجة والخمسة للاربعة مع احمد والستة للاربعة مع الشیخین والجماعة لاصحاب الکتب الستة معه وکثیراً الا اذکر مع الشیخین غیرهما من مخرجی الحدیث وربما اقول بعد ذکر بعض المخرجین والآخرون فالمراد به غیره من اصحاب التخریج سواء کانوا من الجماعة او من غیره[2]"

---

[1] تعلیق الحسن ۱/۱۱۶ [2] تعلیق الحسن ۱/۲، ۳ ڈاکٹر عتیق الرحمٰن قاسمی نے "علامہ شوق نیموی حیات وخدمات" میں ان

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یں نے اکثر و بیشتر مقامات پر علامات پر اکتفا کیا، چنانچہ بخاری و مسلم کے لیے شیخین ابوداؤد و نسائی اور ترمذی کے لیے ثلاثہ ان تینوں کے ساتھ ابنِ ماجہ ہو تو اربعہ اور چاروں کے ساتھ احمد ہو تو خمسہ اور شیخین ہوں تو ستہ اور صحاحِ ستہ کے لیے جماعۃ استعمال کیا (لیکن بعض اوقات میں شیخین کے ساتھ دوسرے مخرجینِ حدیث کا ذکر نہیں کرتا اور کبھی بعض مخرجین کے ذکر کے بعد آخرون کہہ دیتا ہوں۔ ایسے میں مراد دوسرے اصحابِ تخریج ہوتے ہیں خواہ ان کا تعلق جماعت سے ہو یا ان کے علاوہ ہو۔

آثار السنن کی فوقیت بلوغ المرام پر

لیکن اگر ان دونوں کتابوں کا علمی جائزہ لیا جائے تو پتہ چلے گا کہ آثار السنن کئی حیثیتوں سے بلوغ المرام پر فائق ہے۔

۱۔ موافق و مخالف احادیث کا استخراج : علامہ نیمویؒ نے آثار السنن میں صرف ان احادیث کے ذکر کا التزام نہیں کیا ہے جو حنفی مسلک کی مؤید ہیں، بلکہ انھوں نے باضابطہ دونوں قسم کی احادیث کے لیے الگ الگ ابواب قائم کیے اور اس کے ذیل میں دونوں قسم کی احادیث لاکر بڑی تحقیقی بحثیں کیں اور صحت و ضعف کا حکم لگایا۔ علامہ کی یہ بحثیں کبھی کبھی تو بس الہامی ہوتی ہیں جن کا ذکر دوسری کتابوں میں دیکھنے کو نہیں ملتا، مثلاً قرأت خلف الامام کی حدیث مشہور "لعلکم تقرؤن خلف امامکم" جو حضرت عبادۃ ابنِ ثابت سے مروی ہے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"فیه مكحول وهو يدلس، رواه معنعناً وقد اضطرب فی اسناده و مع ذالك وقد تفرد بذكر محمود بن الربيع عن عبادة فی طريق مكحول محمد بن اسحاق وهو لا يحتج بما انفرد به فالحديث معلول بثلثة اوجه"[۱]

اس میں مکحول ہے، مدلس ہے جس نے اسے معنعن روایت کیا ہے۔ اس کی اسناد میں (بھی)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اصطلاحوں کو علامہ نیمویؒ کی نئی وضع کردہ اصطلاح کہا ہے جو صحیح نہیں ہے، بلکہ یہ حافظ ابنِ حجر کی اصطلاح ہے جسے علامہ نے بھی اپنایا ہے۔ [۱] آثار السنن ۱/۷۶، ۷۷

اضطراب ہے اور مکحول والے طریق میں ربیع عن عبادہ کے سلسلے میں محمود کو صرف محمد بن اسحٰق نے ذکر کیا ہے۔ اور جب محمد بن اسحٰق کسی کے ذکر میں منفرد ہوں تو وہ حدیث لائق استدلال نہیں ہوتی۔ اس طرح یہ حدیث تین وجہوں سے معلول ہے۔

آثار السنن کی اصل قدر و قیمت اور اہمیت علامہ کی ایسی ہی عجیب و غریب اور نادر تحقیقات میں مضمر ہے خود ہی لکھتے ہیں:

"قد تفردت فی مواضع من آثار السنن بتحقیقات عجیبة و فوائد غریبة غفلت عنها ذہن المحدثین ولم یظفر بها احد من المتقدمین والمتاخرین"[1]

میں نے آثار السنن میں کئی جگہوں پر بعض نادر تحقیقات پیش کی ہیں جو نہ متقدمین کے یہاں ملتی ہیں نہ متاخرین کے یہاں۔

ایک دوسری جگہ قرأت خلف الامام کی احادیث پر نقد کرنے کے بعد لکھا:

"قد بلینت ضعفه بادلة قویة لم یسبق الی بعضها ذهن احد من المتقدمین فضلا عن المتاخرین"[2]

میں نے اس کے ضعف کو ایسے قوی دلائل سے بیان کیا ہے جس کی طرف متقدمین کا بھی ذہن نہیں گیا کجا متاخرین۔

۲ ـــــ متعارض احادیث کے مابین تطبیق: بلوغ المرام میں حافظ ابن حجرؒ نے اپنے مسلک کے خلاف کوئی حدیث مستقلاً ذکر نہیں کی جس کی وجہ سے تطابق کی ضرورت انہیں پیش نہیں آئی، لیکن علامہؒ نے دونوں قسم کی احادیث کو مستقلاً ذکر کیا اس لیے متعارض احادیث میں تطبیق کے فرائض بھی انجام دینے پڑے۔ علامہؒ کی یہ تطبیق خود ان کی ذہانت اور حدیث کے ذوقِ خاص کے مظہر ہیں۔ آثار السنن کے جزِ اول میں تینتیس[۳۳] اور جزِ ثانی میں چوبیس ایسی تطبیقات ہیں جن سے احادیث کے مقام اور نوعیت کے تعین میں مدد ملتی ہے۔ یہاں پر ایسی چند تطبیقات کا ذکر کرنا بے جا نہ ہوگا۔

باب آدابِ الخلاء کے تحت استقبال اور استدبارِ قبلہ کی متعارض احادیث کے ذکر کرنے کے بعد علامہ

---

[1] آثار السنن ۱/ ۷۶، ۷۷　　[2] تعلیق الحسن ۱/ ۷۷

نے لکھا ہے :

"النهی للتنزیه و فعله صلی الله علیه وسلم کان للاباحة او مخصوصًا به جمعًا بین الاحادیث"[1]

ممانعت تنزیہی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل یا تو اباحت کے لیے ہے یا آپ کے ساتھ مخصوص ہے۔

باب ماجاء فی الظهر کے تحت اوقاتِ ظہر پر روشنی ڈالتے ہوئے علامہ نے صراحت کی ہے :

"استدل الحنفیة بهذه الاحادیث علی ان وقت الظهر لا ینقضی بعد المثل بل یبقی بعده ووقته ازید من وقت العصر وفی الاستدلال بها ابحاث وانی لم اجد حدیثًا صریحًا صحیحًا او ضعیفًا یدل علی ان وقت الظهر الی ان یصیر الظل مثلیه وعن ابی حنیفة فیه قولان"[2]

ان احادیث سے حنفیہ نے استدلال کیا ہے کہ ظہر کا وقت ایک مثل کے بعد ختم نہیں ہوتا، بلکہ اس کے بعد بھی باقی رہتا ہے اور ظہر کا وقت عصر کے وقت سے زائد ہے، لیکن استدلال میں بحثیں ہیں اور مَیں نے کوئی بھی حدیث صریح یا ضعیف ایسی نہیں پائی جو دلالت کرے کہ ظہر کا وقت دو مثل تک ہے (جہاں تک امام ابو حنیفہؒ کی رائے کا سوال ہے) تو اس مسئلہ میں ان کے دو اقوال ہیں۔

آثار السنن کا ردِ عمل

آثار السنن علمارِ احناف میں جتنی مقبول ہوئی اور جس قدر اس کی پذیرائی ہوئی اتنا ہی شدید ردِ عمل اہلحدیث پر ہوا اور اس سلسلہ میں ایک کانفرنس علامہ شمس الحق ڈیانوی عظیم آبادی (م ۱۳۲۹ھ) کے دولت کدہ پر منعقد ہوئی جس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ مولانا عبد الرحمٰن مبارک پوری (م ۱۳۵۳ھ / ۱۹۳۴ء) اس کتاب کا جواب لکھیں، چنانچہ مولانا عبد الرحمٰن مبارک پوری نے دو کتابیں خاص طور پر تصنیف فرمائیں جن میں سے ایک کا نام "ابکار المنن فی تنقید آثار السنن" رکھا۔ جس کا لب و لہجہ اور اسلوب بالکل مناظرانہ ہے اور علامہ نیموی کی تحقیق کو رد کرنے کے

---

[1] آثار السنن ص ۲۳/۱　　[2] ایضاً ۴۳/۱　　(بقیہ بر صد ۵۳)

قسط : ۲

تحفۂ اصلاحی

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد

ابین احسن اصلاحی صاحب نے اپنی تفسیر "تدبر القرآن" کے علاوہ اصولِ تفسیر میں "مبادی تدبر تفسیر" اور اصولِ حدیث میں "مبادی تدبرِ حدیث" بھی لکھی ہیں۔ اصلاحی صاحب کے مبادی اس بات کا کھلا ثبوت ہیں کہ ؎

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

اپنے سلسلہ مبادی میں انہوں نے جو گل افشانیاں کی ہیں وہ مدلل ابطال اور احقاق حق کے ساتھ ہدیۂ قارئین ہیں۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اصلاحِ احوال کا ذریعہ بنائے آمین

امین احسن اصلاحی صاحب لکھتے ہیں :

"حدیث کو 'خبر' کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اور خبر کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ الخبر یحتمل الصدق والکذب (خبر صدق وکذب دونوں کا احتمال رکھتی ہے) یعنی علمائے فن کے نزدیک خبر میں صدق وکذب دونوں کا احتمال پایا جاتا ہے۔ اسی بنیاد پر احادیث کو ظنی بھی کہتے ہیں ..." (مبادی تدبر حدیث ص۱۹)

اس عبارت میں امین احسن اصلاحی صاحب نے چند کوتاہیاں کی ہیں :

① خبر کی صرف ایک ہی تعریف ذکر کی ہے، حالانکہ خبر کی تعریف میں کئی اقوال منقول ہیں۔

علامہ عبدالعزیز بخاری رحمہ اللہ اصول بزدوی پر اپنی شرح کشف الاسرار میں خبر کی تعریف کے بارے میں لکھتے ہیں :

واختلفوا فی تحدیدہ	خبر کی تعریف میں اختلاف ہوا ہے لہٰذا
(۱) فقیل انه لا یحد لانه ضروری	(۱) کہا گیا ہے کہ خبر کی تعریف نہیں کی جا سکتی کیونکہ اسکا

التصور اذ کل واحد یعلم بالضرورة الموضع الذی یحسن فیہ الخبر ویفرق بینہ و بین الموضع الذی یحسن فیہ الامر۔ ولولا ان ھذا الحقائق متصورة ضرورة لما کان کذلک۔ ورد بان العلم الضروری بالتفرقة بین ما یحسن فیہ الامر وما یحسن فیہ الخبر بعد معرفتھما اما قبل ذلک فغیر مسلم

تصور بدیہی ہے۔ اس لیے کہ ہر شخص جانتا ہے کہ کہاں خبر صحیح ہوتی ہے اور وہ اسکے اور اس موقع کے درمیان فرق کر سکتا ہے جہاں امر صحیح ہوتا ہے اور اگر ان حقائق کا تصوّر بدیہی نہ ہوتا تو پھر معاملہ ایسا نہ ہوتا۔ اس قول کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ کہاں امر صحیح ہوتا ہے اور کہاں خبر صحیح ہوتی ہے۔ ان کے درمیان فرق کے علم کا بدیہی ہونا ان کو یعنی امر اور خبر کو پہچان لینے کے بعد ہوتا ہے پہلے نہیں۔

(ii) و قیل ھو الکلام الذی یدخل فیہ الصدق والکذب و قیل یدخلہ التصدیق والتکذیب۔ وقیل یحتمل الصدق والکذب واعترض علی ھذہ الحدود بان خبر اللہ تعالٰی و خبر رسولہ لا یدخلھما الکذب ولا التکذیب ولا یحتملان الکذب ایضاً فلا تکون جامعة ...

(ii) نیز کہا گیا ہے کہ خبر اس کلام کو کہتے ہیں جس میں صدق و کذب کا دخول ہوتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ وہ کلام ہوتا ہے جس میں تصدیق و تکذیب کا دخول ہوتا ہے اور وہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ خبر سے وہ کلام مراد ہے جس میں صدق وکذب کا احتمال ہوتا ہے۔ ان تینوں تعریفوں پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خبر اور اللہ کے رسول کی خبر ان دونوں میں کذب و تکذیب کا دخول تو نہیں ہو سکتا اور نہ ہی ان میں کذب کا احتمال ہو سکتا ہے، لہذا یہ تعریفیں خبر کے تمام افراد کو جامع نہ ہوئیں۔

(iii) و قیل ھو کلام یفید بنفسہ اضافةَ مذکورٍ الی مذکورٍ بالنفی او الاثبات واعترض علیہ بانہ لیس بمانع لدخول نحو قولک الغلام الذی لزید أو لیس لزید فیہ

(iii) ایک تعریف یہ کی گئی ہے کہ خبر وہ کلام ہے جو ایک مذکور کی دوسرے مذکور کی طرف اضافت کا نفی یا اثبات کے ساتھ خود فائدہ دیتا ہے۔ اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ تعریف مانع نہیں ہے، کیونکہ اس تعریف کے قائل ابو الحسین بصری کے نزدیک کلمہ بھی کلام

لانہ کلام عند صاحب ھذا الحد و ھو ابو الحسین البصری الکلمۃ عندہ کلام

ہے لہٰذا الغلام الذی لزید او لیس لزید جیسی ترکیب بھی اس تعریف میں داخل ہو جاتی ہے۔

(۱۷) و مختار بعض المتاخرین ان الخبر ھو ما ترکب من امرین حکم فیہ بنسبۃ احدھما الی الآخر نسبۃ خارجیۃ یحسن السکوت علیھا۔

(۱۷) بعض متاخرین کے نزدیک مختار تعریف یہ ہے کہ خبر دو امور سے ترکیب پانے والے مرکب کو کہتے ہیں جس میں ایک امر کی دوسرے کی طرف نسبت کا خارج میں حکم لگایا گیا ہو اور اس نسبت پر سکوت صحیح ہو۔

(۲) جن لوگوں نے خبر کی تعریف مایحتمل الصدق والکذب کی ہے تو انہوں نے یہ تعریف متکلم سے قطع نظر کرتے ہوئے کی ہے۔ علامہ ابن ھمام رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

الخبر مرکب یحتمل الصدق والکذب بلا نظر الی خصوص المتکلم فلا یشکل بخبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذ ھو مع قطع النظر عن قائلہ یحتملھا (تیسیر التحریر ص ۲۳)

خبر سے مراد وہ مرکب ہے جس میں صدق و کذب کا احتمال ہو جبکہ خصوص متکلم کی طرف نظر نہ کی گئی ہو، لہٰذا اس تعریف پر خبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اشکال واقع نہیں ہوتا، کیونکہ نبی کی خبر میں جبکہ اس کے قائل سے قطع نظر کیا گیا ہو ان دونوں کا احتمال ہوتا ہے۔

گویا یہ حقیقت میں خبرِ مطلق کی تعریف ہے مطلق خبر کی نہیں۔ امین احسن اصلاحی صاحب نے اس فرق کو ملحوظ نہ رکھ کر مذکورہ بالا اعتراض کا موقع برقرار رکھا ہے، کیونکہ خبرِ رسول مطلق خبر کی ایک قسم ہے خبرِ مطلق کی نہیں ہے۔ جبکہ یہاں جس کی تعریف مطلوب و مقصود ہے وہ مطلق خبر ہے خبرِ مطلق نہیں ہے۔

(۳) امین احسن اصلاحی صاحب نے یہ جو لکھا ہے کہ "حدیث کو خبر کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اور خبر کی تعریف یہ کی جاتی ہے الخبر یحتمل الصدق والکذب" اس میں حقیقت سے انحراف ہے، کیونکہ علماءِ فن کے نزدیک خبر حدیث کا مرادف ہے، لہٰذا جو حدیث کا مطلب ہے یہاں خبر سے بھی وہی مراد ہے۔ علامہ ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ شرح نخبۃ الفکر میں لکھتے ہیں:

الخبر عند علماء ھذا الفن مرادف للحدیث و قیل الحدیث ما جاء عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

فنِ حدیث کے علماء کے نزدیک خبر حدیث کے مترادف ہے اور یہ بھی قول کیا گیا ہے کہ حدیث تو وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہو

والخبر ماجاء عن غيره ومن ثم قيل لمن يشتغل بالتواريخ ماشاكلها الاخبارى ولمن يشتغل بالسنة النبوية المحدث وقيل بينهما عموم وخصوص مطلقاً فكل حديث خبر من غير عكس ۔

اور خبر وہ ہے جو آپ کے علاوہ (صحابی وغیرہ) سے حاصل ہو۔ اسی وجہ سے تواریخ وغیرہ میں اشتغال رکھنے والے کو اخباری اور سنّتِ نبویہ میں اشتغال رکھنے والے کو محدث کہا جاتا ہے۔ ایک اور قول یہ ہے کہ حدیث اور خبر کے درمیان عموم خصوص مطلق ہے، لہٰذا ہر حدیث خبر ہوتی ہے بلا عکس۔

اس پر علامہ قاضی محمد اکرم نصر پوری سندی رحمہ اللہ اپنی شرح امعان النظر میں لکھتے ہیں :

(قوله الخبر عند علماء هذا الفن مرادف للحديث) فهما عبارتان عن قول رسول الله صلى الله عليه وسلم وفعله وتقريره أو عن الامرين الاولين منها سواء كانت أو كانا لرسول الله صلى الله عليه وسلم أو الصحابي أو التابعي على اختلاف الاصطلاحات ... ثم ان السنة ترادفهما على الأول وعلى الثاني أعم۔ ذكر الاجهوري في حاشية الشرح أنه قال في شرح النظم : الخبر في الاصطلاح مرادف للحديث وهو ما جاء عن النبي صلى الله عليه وسلم من قوله أو فعله فتكون السنة أعم منه وقيل او تقريره فتكون مرادفة له انتهى ۔

پس حدیث اور خبر دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل اور تقریر سے عبارت ہیں یا قول و فعل سے عبارت ہیں۔ خواہ یہ تینوں (قول، فعل اور تقریر) یا دونوں (یعنی قول و فعل) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوں یا صحابی کے ہوں یا تابعی کے ہوں ایسا اصطلاحات کے اختلاف کے مطابق ہے . . . پھر پہلی صورت میں سنت ان دونوں یعنی حدیث و خبر کے مرادف ہے اور دوسری صورت میں اعم ہے۔ اجہوری نے اپنے حاشیہ میں لکھا ہے کہ نظم کی شرح میں یوں کہا ہے کہ اصطلاح میں خبر حدیث کے مرادف ہے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول یا فعل ہے۔ پس سنت اس سے اعم ہوئی۔ اور ایک قول میں "یا تقریر" کا اضافہ بھی ہے تو اس کے مطابق سنّت اس کے مرادف ہوئی۔ انتہی۔

(امعان النظر ص ۱۱، ۱۲)

محمد جمال الدین قاسمی لکھتے ہیں:

اعلم ان هذه الثلاثة (یعنی الحدیث والخبر والاثر) مترادفة عند المحدثین علی معنی ما اضیف الی النبی صلی اللہ علیه وسلم قولا أو فعلا أو تقریرا أو صفة - وفقهاء خراسان یسمون الموقوف اثرا والمرفوع خبرا وعلی هذه التفرقة جری کثیر من المصنفین -

جان لو کہ یہ تینوں یعنی حدیث، خبر اور اثر مترادف ہیں اور ان کا معنی وہ قول یا فعل یا تقریر یا صفت ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کی گئی ہو۔ فقہائے خراسان موقوف کو اثر اور مرفوع کو خبر نام دیتے ہیں۔ اسی فرق کو اکثر مصنفین نے اختیار کیا ہے۔

(قواعد التحدیث ص۶۱)

مذکورہ بالا حوالہ جات سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ علم حدیث میں "خبر" ایک اصطلاح ہے جو جمہور علمائے فن کے نزدیک حدیث کے مرادف ہے اور یہاں اس کا منطقی معنی مراد نہیں ہے جیسا کہ ابن احسن اصلاحی صاحب نے لیا ہے، بلکہ یہاں خبر سے وہی مطلب مراد ہے جو حدیث کا ہے۔

(۴) آگے ابن احسن اصلاحی صاحب لکھتے ہیں کہ "اسی بنیاد پر احادیث کو ظنی بھی کہتے ہیں۔"

یہ ابن احسن اصلاحی صاحب کی بناءِ فاسد علی الفاسد کی مثال ہے، کیونکہ انہوں نے پہلے غلط طور پر حدیث کے لیے خبر کے استعمال میں اس کے منطقی معنی کو پیشِ نظر رکھا یعنی ما یحتمل الصدق والکذب اور پھر اس کو احادیث کے ظنی ہونے کی بنیاد ٹھہرایا، حالانکہ یہ بات بھی غلط اور حقیقت سے بعید ہے۔ جو احادیث ظنی یعنی ظنی الثبوت ہیں ان کے ظنی ہونے کی وجہ پر مندرجہ ذیل عبارتیں دلالت کرتی ہیں۔

(۱) قد تقرر ان من الاشیاء ما یعرف بواسطة العقل ککون الواحد نصف الاثنین وککون کل حادث لا بد له من محدث وان منها ما یعرف بواسطة الحس ککون زید قال کذا أو فعل کذا فان القول یدرک بحاسة السمع والفعل

یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ کچھ چیزوں کی معرفت عقل کے واسطے سے ہوتی ہے۔ مثلاً ایک کے دو کا نصف ہونا اور ہر نئی چیز کے لیے اس کے کسی بنانے والے کا ضروری ہونا اور کچھ چیزوں کی معرفت حس کے واسطے سے ہوتی ہے۔ مثلاً زید کا ہُوبہو یوں طور اس نے یہ کہا یا یہ کیا، کیونکہ قول کا ادراک حاسہ سمع سے ہوتا ہے اور فعل

يدرك بحاسة البصر والذي يعرف بواسطة الحس قد يعرفه من لم يحس به بواسطة خبر من احس به - ولما لم يكن كل مخبر صادقا وكان الخبر يحتمل الصدق والكذب لذاته اقتضى الحال ان يبحث عما يعرف به صدق الخبر اما بطريق اليقين وذلك في الخبر المتواتر أو بطريق الظن وذلك في غير المتواتر اذا ظهرت أمارات تدل على صدق الخبر - ولما كان الحديث عبارة عن اقوال النبي صلى الله عليه وسلم وافعاله و كان من لم يدركها بطريق الحس لا سبيل له الى ادراكها الا بطريق الخبر اعتنى العلماء الاعلام ببيان اقسام الخبر مطلقا وجعلوا للحديث الذي هو قسم من اقسام الخبر مبحثا خاصا به اعتناء بشانه

(توجیہ النظر ص ۳۳)

کا ادراک حاسہ بصر سے ہوتا ہے۔ وہ چیز جس کی معرفت جس کے واسطے سے ہوتی ہے محسوس کرنے والے کی خبر کے ذریعے سے اس کی معرفت محسوس نہ کرنے والے کو بھی ہو جاتی ہے، لیکن جبکہ ہر خبر دینے والا سچا نہیں ہوتا اور خبر میں اس کی اپنی ذات کے اعتبار سے صدق وکذب کا احتمال ہوتا ہے تو صورتحال کا یہ تقاضا ہے کہ اس چیز کے بارے میں بحث کی جائے جس سے خبر کے صدق کی معرفت حاصل ہو۔ یا تو یقین کے طریقے پر جو کہ خبر متواتر میں ہوتا ہے یا ظن کے طریقے پر جو کہ غیر متواتر میں ہوتا ہے، جبکہ خبر کے صدق پہ علامتیں دلالت کر رہی ہوں اور جبکہ حدیث عبارت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال سے اور وہ شخص جس نے ان کا ادراک خود اپنے حواس سے نہیں کیا اس کے لیے ان کے ادراک کی سوائے خبر کے اور کوئی صورت نہیں ہے۔ اس لیے علماء نے مطلق خبر کی اقسام کو بیان کرنے کا اعتنا کیا ہے اور حدیث کے لیے جو کہ خبر کی اقسام میں سے ایک قسم ہے اس کی شان سے اعتنا کرتے ہوئے خاص بحث کی ہے۔

(۲) ثم اعلم ان حجية السنة موقوفة بالنسبة الينا على السند وان لم تكن موقوفة عليه بالنسبة الى الصحابة

پھر جان لو کہ سنّت کی حجیت ہمارے اعتبار سے سند پر موقوف ہے۔ اگرچہ صحابہ کے اعتبار سے وہ (یعنی سنّت کی حجیت) سند پر موقوف نہیں ہے،

وھو الاخبار عن طریق المتن بان یقول حدثنی فلان من غیر واسطة أو بھا انه قال رسول الله صلی الله علیه وسلم وھذا خبر خاص فلا بدمن البحث عن الخبر ۔ (فواتح الرحموت ص۲/۱۰۱)	اور سند نام ہے متنِ حدیث کے طریق کے اخبار کا بایں طور کہ راوی یوں کہے کہ مجھ سے فلاں نے بغیر واسطے کے یا واسطہ کے ساتھ یوں کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ یہ (چونکہ) ایک خاص خبر ہے لہذا اس خبر کے بارے میں بحث ناگزیر ہے۔
(۳) وھذا لان خبر الواحد حجة باعتبار انه کلام رسول الله صلی الله علیه وسلم وقوله حجة موجبة للعلم قطعا ولکن امتنع ثبوت العلم به لشبھة فی النقل واحتمل ذلک لضرورة فقدنا رسول الله صلی الله علیه وسلم ۔ (اصول سرخسی ص۱/۲۹۸)	اس کی وجہ یہ ہے کہ خبرِ واحد اس اعتبار سے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے حجت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول حجت ہوتا ہے اور قطعی طور پر موجبِ علم ہوتا ہے ، لیکن (ہمارے لیے قطعی) علم کا ثبوت ممتنع ہے ، لیکن اس کے نقل ہونے میں شبہ پایا جاتا ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں پایا ہے ۔

معلوم ہوا کہ راوی کا یہ کہنا کہ مجھ سے فلاں نے (بغیر واسطے کے یا واسطہ کے ساتھ) یہ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ وہ خاص خبر ہے جس کی وجہ سے حدیث (جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا فعل یا تقریر کو کہتے ہیں) ظنی یا قطعی بنتی ہے ۔ یہ خاص خبر اس خبر سے قطعاً مختلف ہے جو حدیث کے مرادف ہے ۔ بالفاظ دیگر حدیث کے قطعی یا ظنی ہونے کا تعلق سند وطریق سے ہے ۔ خود حدیث وخبر (مرادف حدیث) یعنی متن سے نہیں

ہم نے جو یہاں حدیث کا انحصار متن میں کیا ہے اور اس کی سند وطریق کو اس سے خارج بتایا ہے تو اس کی دلیل خود حدیث کی تعریف ہے ۔ علاوہ ازیں توجیہ النظر کی اس مندرجہ ذیل عبارت سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے ۔

أما السند فھو فی اللغة ما استندت الیه من جدار أو غیره وھو فی العرف طریق متن الحدیث	رہی سند تو لغت میں اس کو کہتے ہیں جس کی طرف سہارا لیا گیا ہو اور ٹیک لگائی گئی ہو یعنی دیوار وغیرہ اور عرف محدثین میں یہ متن حدیث کے طریق کو کہتے ہیں ۔ اس

وسمی سندا لاعتماد الحفاظ فی صحة الحدیث وضعفه علیه۔ مثال الحدیث المسند قول یحیی أحد رواة مالک اخبرنا مالک عن نافع عن عبداللّٰه بن عمران رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال لا یبیع بعضکم علی بیع بعض۔ والمتن فی اصل اللغة الظهر وما صلب من الارض وارتفع ثم استعمل فی العرف فیما ینتهی الیه السند والاضافة فیه للبیان۔ وسند الحدیث هو ما ذکر قبل المتن ویقال له الطریق لانه یوصل الی المقصود هنا وهو الحدیث کما یوصل الطریق المحسوس إلی ما یقصده السالک فیه (توجیه النظر للجزائری ص۲۵)

کو سند کا نام اس وجہ سے دیا گیا ہے کہ حفاظ حدیث حدیث کی صحت اور ضعف میں اس پر اعتماد کرتے ہیں۔ حدیث مسند کی مثال یہ ہے یحیٰی کہتے ہیں ہمیں مالک نے خبر دی نافع سے اور انہوں نے عبداللہ بن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لا یبیع بعضکم علی بیع بعض تو اس میں متن حدیث تو یہ ہے لا یبیع بعضکم علی بیع بعض اور اصل لغت میں متن کہتے ہیں پشت کو اور ٹھوس مرتفع زمین کو پھر محدثین کے عرف میں یہ اس کو کہا جانے لگا جس کیطرف سند جا کر ختم ہو اور متن الحدیث میں اضافت بیان کے لیے ہے۔ سند حدیث جو کہ متن سے پیشتر مذکور ہوتی ہے اس کو طریق بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ مقصود جو کہ یہاں حدیث ہے کیطرف پہنچاتی ہے جیساکہ محسوس رستہ چلنے والے کو مقصود کیطرف پہنچاتا ہے۔

(۵) امین احسن اصلاحی صاحب یہ لکھنے کے بعد کہ الخبر یحتمل الصدق والکذب یہ تحریر کرتے ہیں۔

"اسی بنیاد پر احادیث کو ظنی بھی کہتے ہیں۔ گویا ایک حدیث میں صحیح، حسن، ضعیف، موضوع اور مقلوب سب کچھ ہو سکنے کا امکان پایا جاتا ہے۔" (مبادی تدبر حدیث ص۲)

احادیث کے ظنی الثبوت ہونے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان کا ثبوت یقینی طریقے سے نہیں ہوتا یعنی ان کے روایت کرنے والے اتنی تعداد میں نہیں ہوتے کہ عادةً ان کا جھوٹ پر متفق ہونا محال ہو۔ یہ کسی حدیث کے ظنی الثبوت ہونے کا مطلب ہے۔ ظنی الثبوت ہونے کا اپنا تقاضا پھر یہ نہیں ہوتا کہ اس روایت میں صحیح، حسن، ضعیف وغیرہ سب کچھ ہو سکنے کا امکان پایا جاتا ہو۔ اگر راوی سب کے سب عادل اور ثقہ اور قوی حفظ والے ہوں تو اس روایت میں صرف اس کے صحیح ہونے ہی کا اعتبار کیا جاتا ہے، کیونکہ اس وقت روایت کے ثبوت کو

عدم پر ترجیح حاصل ہے اور مرجوح پہلو ناقابلِ التفات ہوتا ہے۔ اصطلاحاً حدیث کے ظنی الثبوت ہونے کا تو مطلب ہی یہ ہے کہ ظن یعنی غالب گمان کے مطابق حدیث یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول یا فعل یا تقریر سے ثابت ہے، لہٰذا وہ احادیث جن کے ظنی ہونے کا قول کیا جائے درحقیقت وہ تو صرف وہ احادیث ہیں جو صحیح و حسن ہیں کیونکہ وہ احادیث جو موضوع ہوں ان میں ظن غالب کے اعتبار سے عدم کو ترجیح حاصل ہوتی ہے اور وہ احادیث جن میں متوسط درجے کا ضعف ہو ان میں ثبوت و عدم دونوں مساوی ہوتے ہیں گویا شک کی کیفیّت ہوتی ہے۔

غرض امین احسن اصلاحی صاحب کی یہ تمام تقریر علمی و عقلی قواعد سے ہٹ کر ہے اور محض انکی اپنی اختراع ہے۔

تنبیہ : امین احسن اصلاحی صاحب کو قطعی اور ظنی کے معنی میں جو غلطی لگی ہے اس پر ہم نے کچھ کلام ان کی کتاب "مبادی تدبر قرآن" کے ایک مقام پر تنقید کرتے ہوئے کیا ہے۔ اس کو بھی ملاحظہ فرمالیا جائے۔

(بقیہ : ظہیر احسن شوق نیمویؒ)

لیے جس میں بڑا زور صرف کیا گیا ہے۔

دوسری کتاب "تحفۃ الاحوذی" ہے جو محدثانہ رنگ میں ترمذی شریف کی شرح ہے۔ اس میں بھی مولانا نے جابجا علامہ کی تحقیق کا رد کیا ہے۔

ان کے علاوہ مولانا عبدالسمیع مبارکپوری، حافظ محمد پنجابی اور مولانا چراغ گل نے بھی مولانا کی تحقیقات کو رد کرنے اور ان کے جوابات دینے کی کوشش کی ہے۔

مولانا عبدالرشید فوقانی نے علامہ نیموی کی تحقیقات پر کئے جانے والے اعتراضات کا ایک جائزہ اپنی کتاب "القول الحسن فی رد ایکار المتن" میں لیا ہے۔ یہ کتاب باب المیاہ سے باب الجہر بالتامین پر مشتمل ہے۔ مصنف کا طریقِ کار یہ ہے کہ پہلے علامہ نیموی کی پیش کردہ احادیث اور دلائل کو بیان کیا ہے۔ پھر مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری کے اعتراضات نقل کر کے ان کے جوابات تحریر کیے ہیں اور کہیں کہیں علامہ نیموی کے دلائل کی تشریح و توضیح بھی کی ہے۔ آثار السنن کو پورے طور پر سمجھنے کے لیے ان دونوں کتابوں کا مطالعہ بے حد مفید اور کار آمد ہے۔

دارالافتاء جامعہ مدنیہ لاہور

مستفتیین و مستفسرین کے اسمار گرامی خود ان کی ہی مصلحت کے پیشِ نظر محذوف ہیں۔

:- مجیب و مفتی :-

حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الواحد زید مجدہم ، مدرس و نائب مفتی جامعہ مدنیہ

سوال : شیئرز (SHARES) یعنی حصص کے ذریعہ سرمایہ کاری کا نظام انتہائی عروج پر پہنچ چکا ہے اور اس دور میں تجارت کی سب سے زیادہ رائج اور مقبول صورت ہے اور عالمی پیمانہ پر اس میں عام ابتلا ہوگیا ہے۔ ضرورت ہے کہ معلوم ہو کہ آیا شیئرز کی خرید و فروخت کی شرعاً کیا نوعیت ہے ؟ اور کیا یہ جائز ہے یا ناجائز ہے ؟

جواب :

شیئرز کی حقیقت

شیئرز کی حقیقت یہ ہے کہ اولاً تو یہ شرکتِ اموال ہے اور پھر عقدِ اجارہ ہے۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ جب ایک کمپنی قائم کی جاتی ہے تو اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ابتداءً چند سرمایہ کار (جو ترقی دینے والے حصہ دار کہلاتے ہیں) ایک سکیم مرتب کر کے اور قواعد و ضوابط متعین کر کے متعلقہ سرکاری محکمہ سے اپنی رجسٹریشن کراتے ہیں۔ اسی طرح کسی معتبر بینک سے یہ ضمانت حاصل کی جاتی ہے کہ اگر پیش کردہ حصص پر سرمایہ فراہم نہ ہوسکے تو بینک اتنے اتنے حصے خریدنے کو تیار ہے۔ رجسٹریشن کے بعد اشتہار کے ذریعے کمپنی میں بذریعہ شیئرز (حصص) شرکت کی کھلی اور عمومی پیشکش کی جاتی ہے۔ کبھی پہلے سے موجود کمپنی بھی اپنے کاروبار کو فروغ دینے کے لیے عوام کو سرمایہ کاری کے لیے کھلی پیش کش کرتی ہے۔ خواہشمند لوگ اپنی اپنی قوت اور منشا کے مطابق حصے کم یا زیادہ خریدتے ہیں۔ اس طرح سے حصص کے خریداروں اور ابتدائی سرمایہ کاری کرنے والوں کا سرمایہ مل کر مشترک ہو جاتا ہے یہ شرکتِ اموال کی صورت بن جاتی ہے۔ ابتدا میں بظاہر تو یہ حصص کی خرید ہوتی ہے، لیکن درحقیقت یہ مختلف لوگوں کا اپنے سرمایہ کو اکٹھا کرنے کی صورت ہے۔

یہ سرمایہ جو شیئرز کی خرید کی صورت میں مہیا کیا جاتا ہے اس لیے کیا جاتا ہے کہ کمپنی کے ڈائرکٹران

وغیرہ اس سرمایہ میں کاروبار کریں۔ کمپنی کے ڈائریکٹران اس کام پر اجرت وصول کرتے ہیں جو کمپنی کے اخراجات کی مد میں شمار ہوتی ہے۔ تمام اخراجات نکال کر جو نفع ہوتا ہے وہ شیئر ہولڈرز (یعنی اصحاب حصص) پران کے سرمایہ کے تناسب تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ اس کا طریقہ یہ کیا جاتا ہے کہ سرمایہ کو مثلاً دس دس روپے کے حصص کی صورت میں لیا جاتا ہے اور نفع کو کل حصص میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ کمپنی کے ڈائریکٹران اپنی محنت کی اجرت وصول کرتے ہیں اور اپنے سرمایہ پر فی حصہ نفع میں دوسرے حصّہ داروں کے ساتھ مساوی طور پر شریک ہوتے ہیں، لہٰذا یہ شرعاً اجارہ (یعنی مزدور اجرت پر کام کرنے) کی صورت ہے۔ اور اگرچہ عرفِ عام میں اس کو شرکت کہا جاتا ہے۔ لیکن شرعی نقطہ نظر سے یہ معاملہ شراکت کا نہیں ہے، بلکہ اجارہ کا ہے۔

شیئرز کی خرید و فروخت کا شرعی حکم

(۹) وہ کمپنیاں جو بالفرض کسی سودی لین دین میں ملوّث نہ ہوں شیئرز خرید کر ان میں حصّہ دار بننے کے جواز میں جو ایک مانع ہے وہ یہ ہے کہ ڈائریکٹران وغیرہ کی اجرتیں مجہول ہوتی ہیں یعنی معاملہ کرتے ہوئے علم نہیں ہوتا کہ وہ کتنی اجرت وصول کریں گے۔ اس میں شک نہیں کہ ان کی بنیادی تنخواہیں معین ہوتی ہیں، لیکن ان کے بھتوں اور ALLOWANCES کی مقدار پہلے سے متعین نہیں ہوتی، چونکہ یہ الاؤنس بھی درحقیقت ان کی اجرت و تنخواہ ہی میں شامل ہیں لہٰذا ان کی مقدار کے مجہول اور نامعلوم رہنے سے کل تنخواہ و اجرت مجہول رہ جاتی ہے اور یہ بات اجارہ کے صحیح ہونے کے منافی ہے۔ یہ جہالت یسیرہ بھی نہیں ہوتی یعنی اتنی معمولی بھی نہیں ہوتی کہ اس کو نظرانداز کیا جا سکے، کیونکہ ALL-OWANCES کے نام پر تنخواہ سے بھی کہیں زیادہ فائدے اٹھائے جاتے ہیں۔ مثلاً ایک کمپنی کے سالانہ رپورٹ میں ہمیں یہ ملتا ہے کہ اس کے CHIRF EXECUTIVE (چیف ایگزیکٹو) کی ۱۹۹۴ء کے سال کی تنخواہ تین لاکھ تیس ہزار روپے تھی، جبکہ بھتوں اور الاؤنسز کی صورت میں اس نے ساڑھے چار لاکھ سے زیادہ کے فوائد حاصل کیے۔ نیز کمپنی کی جانب سے کار بھی مہیّا کی گئی (نہ جانے ایک ہی تھی یا زائد تھیں) جس کے تمام اخراجات کمپنی کے ذمّے تھے۔ علاوہ ازیں FREE FURNISHED ACCOMODATION یعنی آرائش شدہ رہائش بھی مفت مہیّا کی گئی۔ یہ خرچے کمپنی کے دیگر اخراجات میں شامل کر کے دکھائے گئے ہوں

اس طرح ایک اور کمپنی کے دو ڈائریکٹروں نے ۱۹۹۳ء کے سال میں رہائشی الاؤنس اناسی ہزار (۷۹۰۰۰/-) وصول کیا جبکہ ۱۹۹۴ء میں انہوں نے اس مد میں دو لاکھ چالیس ہزار روپیہ وصول کیا۔

غرض چونکہ ان ڈائریکٹران وغیرہ کی کل اُجرت مجہول و نامعلوم ہوتی ہے، لہٰذا یہ اجارہ فاسد ہے اور اس سے اجتناب ضروری ہوتا ہے۔

(ب) وہ کمپنیاں جو سودی لین دین میں ملوّث ہوں اور غالباً سب ہی اس میں ملوث ہیں شیئرز خرید کر ان میں حصّہ دار بننے کے جواز میں مذکورہ بالا مانع کے علاوہ ایک اور مانع بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ عقد اجارہ جو کہ کمپنی کے ڈائریکٹران اور شیئرز ہولڈر کے درمیان طے پاتا ہے۔ اس میں ایک شرط فاسد بھی ہے۔ اور وہ یہ کہ کمپنی کے ڈائریکٹران کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ کمپنی کے BEHALF پر قرضہ لے سکتے ہیں اور اس پہ سود کی ادائیگی کر سکتے ہیں۔ یہ بات چونکہ ڈائریکٹران کے اختیارات کے بیان میں اور کمپنی کے میمورنڈم آف ایسوسی ایشن MEMORANDUM OF ASSOCIATION میں مذکور ہوتی ہے لہٰذا جب کوئی شخص کمپنی کے شیئرز ابتداءً میں یا بعد خریدتا ہے تو وہ اس شرط کو تسلیم کرتے ہوئے خریدتا ہے اور چونکہ یہ شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہے لہٰذا فاسد ہے جس سے عقدِ اجارہ فاسد ہوا۔

ایک کمپنی کے ڈائریکٹران کے بیان میں اس طرح درج ہے:

THE DIRECTORS ARE EMPOWERED BY THE COMPANY,S ARTICLES OF ASSOCIATION TO BORROW OR RAISE MONEY OR SECWE PAYMENT OR ANY SUM OR SUMS OF MONEYS FOR THE PURPOSE OF THE COMPANY,S BUSINESS ....

اس طرح ایک کمپنی کے میمورنڈم میں یوں درج ہے:

TO BORROW MONEY FROM TIME TO TIME REQUIRED FOR ANY OF THE PURPOSE OF THE COMPANY BY RECEIVING ADVANCES OR ANY SUM OR SUMS OF MONEY WITH OR WITH OUT SECURITY UPON SUCH TERMS AS THE DIRECTORS MAY DEEM EXPEDIENT-----

TO ISSUE OR GUARANTEE THE ISSUE OF OR THE PAYMENT OF NTEREST ON THE SHARES, DEBENTURES, DEBENTURE STOCK OR OTHER SECURITY OR OBLIGATION OF THIS COMPANY...

اس شرط فاسد کا بیان یہ ہے کہ ڈائریکٹران جب کوئی قرض لیتے ہیں تو وہ اپنے نام پر نہیں لیتے، بلکہ کمپنی کے نام پر لیتے ہیں اور اس کی واپسی اور اس پر سود کی ادائیگی کی ذمہ دار کمپنی ہوتی ہے، لہٰذا وہ قرض کمپنی میں سرمایہ کاری کرنے والے تمام افراد (یعنی ڈائریکٹران اور شیئر ہولڈرز وغیرہ) پر ان کے سرمایہ کے تناسب سے تقسیم ہو جاتا ہے۔ اب ہر سرمایہ کار اپنے اپنے سرمایہ (یا عدد حصص) کے بقدر قرضہ کی واپسی اور اس پر سود کی ادائیگی کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اگر کمپنی کو نقصان ہو تو قرضہ کی واپسی اور سود کی ادائیگی شیئر ہولڈرز کے اصل سرمایہ میں سے کی جاتی ہے۔ اور اگر کمپنی کو نفع ہو تو شیئر ہولڈر کو ہونے والے نفع سے اس کی ادائیگی کی جاتی ہے۔

مزید دو مفاسد

مذکورہ بالا تفصیل فسادِ عقد سے متعلق تھی اس کے علاوہ بھی دو اور مفاسد ہیں۔

اوّل: کمپنی جو سود کی ادائیگی کرے گی، کیونکہ وہ شیئر ہولڈر کی جانب سے ہوگی، لہٰذا سود دینے کی معصیت بھی لازم آئے گی۔

دوم: اگر کوئی شیئر ہولڈر یہ چاہے کہ ان خرابیوں سے بچنے کے لیے اپنے حصص واپس کر دے تو وہ کمپنی کو حصص واپس نہیں کر سکتا۔ یعنی دوسرے لفظوں میں اپنا عقدِ اجارہ کمپنی سے ختم نہیں کر سکتا، بلکہ اس کے پاس فقط ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ وہ اپنے حصص کسی اور کے ہاتھ فروخت کرے اور وہ خریدار کمپنی کے ڈائریکٹران کے ساتھ فاسد اجارہ کرے۔ گویا معصیّت سے نکلنے کی بس یہی صورت ہے کہ کسی دوسرے کو اس معصیّت میں مبتلا کر دے۔

ایک وضاحت

بعض حضرات نے (i) نئی قائم ہونے والی کمپنی کے شیئرز کو صرف ایک شرط کے ساتھ خریدنا جائز قرار دیا ہے کہ وہ کمپنی کوئی حرام کاروبار شروع نہ کر رہی ہو۔

(ii) اسٹاک مارکیٹ سے رائج کمپنیوں کے شیئرز کی خرید و فروخت کو چار شرطوں کے ساتھ جائز لکھا ہے:

(۱) کمپنی حرام کاروبار نہ کر رہی ہو۔ مثلاً وہ سودی بینک نہ ہو۔ سود و قمار پر مبنی انشورنس کمپنی نہ ہو شراب

یا دوسرے حرام مال کا کاروبار کرنے والی نہ ہو وغیرہ۔

۲۔ کمپنی کے تمام اثاثے اور املاک صرف نقد رقم کی شکل میں نہ ہو، بلکہ کمپنی نے کچھ فکسڈ اثاثے حاصل کر لیے ہوں مثلاً بلڈنگ بنا لی ہو یا زمین خرید لی ہو۔

۳۔ اگر کمپنی سودی لین دین کرتی ہو تو اس کی سالانہ میٹنگ میں اس کے خلاف آواز اٹھائی جائے۔

۴۔ جب منافع تقسیم ہوں تو نفع کا جتنا حصہ سودی ڈپازٹ سے حاصل ہوا ہو اس کو صدقہ کر دے۔

ہم کہتے ہیں کہ جس شرط فاسد اور جن مفاسد کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں ان کی موجودگی میں بعض حضرات کی ذکر کردہ ان شرائط سے نہ تو فساد ختم ہوتا ہے اور نہ ہی جواز حاصل ہوتا ہے، کیونکہ جب شیئر ہولڈر نے حصص خرید کر شرط فاسد کے ساتھ عقد اجارہ کیا تو وہ اجارہ فاسد ہو گیا۔ جائز شرائط کے ساتھ ایک بھی ناجائز شرط مل جائے تو اس سے عقدِ اجارہ فاسد ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں باقی دو خرابیاں بھی بعینہٖ موجود ہیں۔

جہاں تک اسٹاک مارکیٹ سے رائج کمپنیوں کے شیئرز کی خرید و فروخت سے متعلق تیسری شرط کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں ہم کہتے ہیں کہ عقدِ اجارہ تو شرط فاسد کی وجہ سے پہلے ہی فاسد ہو چکا اب محض اس کے خلاف آواز اٹھانے سے اور یوں کہنے سے کہ ہم سودی لین دین کو درست نہیں سمجھتے، سودی لین دین پر راضی نہیں ہیں اس لیے اس کو بند کیا جائے۔ فساد ختم نہیں ہو جائے گا۔

علاوہ ازیں کسی کام کی شرائط تو اس کام (مشروط) پر مقدم ہوتی ہیں۔ ان بعض حضرات نے جوازِ شراء (خرید کے جواز) کو مشروط اور آواز اٹھانے کو شرط قرار دیا ہے۔ خرید حصص جائز ہونے کے لیے شرط ہے کہ آواز اٹھائی جائے، اور چونکہ شرط مشروط سے مقدم ہوتی ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ خرید سے پہلے آواز اٹھائی جائے ورنہ خرید جائز نہ ہو گی اور پہلے آواز اٹھائی نہیں جا سکتی، کیونکہ حصص کی خرید سے پہلے سالانہ اجلاس عام میں شمولیت اور احتجاج کرنے کی اجازت ہی حاصل نہ ہو گی اور خرید کے بعد احتجاج کرے تو خرید کے ساتھ جو اجارہ ہوا وہ شرط فاسد کی بنا پر فاسد ہو ہی چکا اور اجارہ فاسد کے بعد محض آواز اٹھانے سے جبکہ شرط فاسد بدستور قائم رہے فساد ختم نہیں ہو گا اور یہ آواز اٹھانا عقدِ فاسد کے اعتبار سے محض بے فائدہ ہو گا۔ ہاں اگر پہلے سے یہ شرط نہ ہوتی یعنی میمورنڈم میں یہ بات مذکور نہ ہوتی تو البتہ آواز اٹھانے کا فائدہ ہو سکتا تھا۔

حاصل یہ ہے کہ شیئرز کی خرید خواہ نئی قائم ہونے والی کمپنی کے ہوں یا چالو کمپنی کے ہوں ناجائز ہیں۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

مولانا نعیم الدّین صاحب ، فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

حضرت امام محمدؒ کے تعلیمی اخراجات

خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ) تحریر فرماتے ہیں :

قال محمد بن الحسن : " ترك ابی ثلاثین الف درھم فانفقت خمسة عشر الفا علی النحو والشعر و خمسة عشر الفا علی الحدیث والفقه "[۱]

امام محمدؒ بن حسن شیبانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے والد نے (وراثت میں میرے لیے) تیس ہزار درہم چھوڑے تھے جن میں سے پندرہ ہزار درہم میں نے (علومِ عربیہ) نحو و شعر کی تحصیل میں خرچ کیے اور پندرہ ہزار علم حدیث اور علم فقہ کی تحصیل میں۔

یاد رہے کہ موجودہ دَور کے حساب سے تیس ہزار درہم کی مالیت تقریباً چھ لاکھ تیس ہزار روپے بنتی ہے۔ یہ بھی ذہن میں رہنا چاہیئے کہ یہ اخراجات اکیلے امام محمد رحمہ اللہ ہی کی تعلیم پر صرف نہیں ہوئے ، بلکہ یہ تسلسل ہے ان کے اسلاف کے تعلیمی اخراجات کا ، چنانچہ امام محمد رحمہ اللہ کے ایک دادا استاذ ہیں حضرت امام ربیعۃ الرائے رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۶ھ) ان کی تعلیم پر تیس ہزار دینار (اشرفیاں) خرچ ہوئی تھیں جن کی مالیت موجودہ دور کے حساب سے تقریباً پانچ کروڑ پچاسی لاکھ روپے بنتی ہے۔

---

[۱] تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۷۳۔

حضرت امام ربیعۃ الرائے جلیل القدر تابعی ، فقیہ اور محدّث ہیں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام مالکؒ کے استاذ ہیں۔ ان کی تعلیم و تربیّت کیسے ہوئی یہ ایک انتہائی سبق آموز اور عبرت انگیز قصّہ ہے۔ تاریخ کے صفحات سے ناظرین کی دلچسپی کے لیے نقل کیا جاتا ہے۔

حضرت امام ربیعۃ الرائے رحمہ اللہ کی تعلیم و تربیت

شاہ معین الدّین احمد ندوی تاریخ بغداد کے حوالے سے رقمطراز ہیں :

" ابھی وہ شکم مادر میں تھے کہ ان کے والد فرّوخ کو خراسان کی مہم پر چلا جانا پڑا اور کچھ ایسے اتفاقات پیش آتے گئے کہ وہ کامل ستائیس برس تک وطن نہ آسکے۔ ربیعہ کی ماں نہایت عاقلہ اور عاقبت اندیش خاتون تھیں، ربیعہ کی پیدائش کے بعد ان کی تعلیم و تربیّت کا بڑا خیال رکھا، چنانچہ شوہر کی عدم موجودگی میں انھوں نے پوری توجّہ سے لڑکے کو تعلیم و تربیت دلائی اور شوہر کا کل اندوختہ جس کی تعداد تیس ہزار اشرفی تھی، ربیعہ کی تعلیم پر صرف کر دیا۔ ربیعہ خود نہایت ذہین طبّاع اور شائق تھے ، اس لیے اُنھوں نے بہت جلد تعلیم حاصل کر لی اور آغازِ شباب ہی میں وہ جملہ علوم میں کامل ہو گئے۔ چھبّیس[۲۶] ستائیس[۲۷] سال کی عمر میں ان کا شہرہ دور دور تک پھیل گیا اور ان کی ذات مرجع خلائق بن گئی۔

ستائیس[۲۷] سال کے بعد ان کے والد گھر واپس آئے۔ گھر پہنچ کر دروازہ کھٹکھٹایا، باپ بیٹے دونوں ایک دوسرے سے ناواقف تھے۔ ربیعہ باہر نکلے تو دروازہ پر ایک اجنبی کو دیکھ کر سخت برہم ہوئے اور کہا دشمنِ خدا تو میرے گھر پر حملہ کرتا ہے۔ فرّوخ نے جواب دیا دشمنِ خدا تو میرے حرم میں گھسا ہوا ہے۔ دونوں میں یہاں تک گفتگو بڑھی کہ باہم دست و گریبان ہو گئے۔ یہ شور ہنگامہ سُن کر پاس پڑوس کے آدمی جمع ہو گئے۔ یہاں آکر دیکھا تو دونوں آدمی گتھے ہوئے تھے۔ ربیعہ فرّوخ سے لپٹے ہوئے کہہ رہے تھے کہ خدا کی قسم تجھ کو حاکم شہر کے پاس لے جائے بغیر نہ چھوڑوں گا۔ فرّوخ کی زبان پر بھی یہی کلمات تھے۔ اتنے میں حضرت مالک بن انسؒ پہنچ گئے اور فرّوخ سے کہا بڑے میاں آپ کسی دوسرے گھر میں ٹھہر جایئے، اس وقت فرّوخ نے اپنا تعارف کرایا کہ میں بنی فلاں کا غلام ہوں۔ میرا نام فرّوخ ہے اور یہ میرا گھر ہے، ان کی آواز سُن کر ان کی بیوی گھر سے نکل آئیں اور انہیں پہچان کر بیٹے سے کہا کہ یہ تمہارے باپ ہیں اور شوہر کو بتایا کہ یہ تمہارا فرزند ہے جسے تم حمل کی

حالت میں چھوڑ گئے تھے۔ یہ پردہ اٹھنے کے بعد دونوں باپ بیٹے گلے مل کر خوب روئے۔ گھر میں داخل ہونے کے بعد فرّوخؒ نے بیوی سے اندوختہ کے متعلق پوچھا اور کہا میرے پاس چار ہزار دینار اور ہیں۔ بیوی کل روپے بیٹے کی تعلیم پر صرف کر چکی تھی۔ جواب دیا ابھی ایسی جلدی ہی کیا ہے، روپیہ حفاظت سے دفن ہے، اطمینان سے نکالوں گی۔ اس وقت ربیعہؒ کی ذات طالبانِ علم کا مرجع بن چکی تھی، مسجدِ نبوی میں ان کا حلقۂ درس قائم تھا جس میں مدینہ کے بڑے بڑے اربابِ علم، عمائد اور اشراف شریک ہوتے تھے۔ ربیعہؒ معمول کے مطابق وقت پر مسجد چلے گئے۔ ان کی ماں نے درس کا وقت پہچان کر شوہر سے کہا ذرا مسجدِ نبوی میں جاکر نماز پڑھ آؤ۔ فرّوخؒ مسجد گئے تو دیکھا کہ ایک شخص کے گرد لوگوں کا ہجوم لگا ہوا ہے امام مالکؒ، حسن بن زیدؒ، ابن ابوعلی لہبیؒ اور مساحقی وغیرہ مدینہ کے شرفا اور اکابر حلقۂ درس میں شریک ہیں۔ فرّوخؒ یہ ہجوم دیکھ کر قریب چلے گئے۔ لوگوں نے راستہ دے دیا۔ ربیعہؒ نے درس میں خلل پڑنے کے خیال سے سر جھکا لیا۔ فرّوخؒ نے لوگوں سے پوچھا یہ کون بزرگ ہیں؟ انہوں نے بتایا ربیعہ بن عبدالرحمٰن فرّوخؒ۔ یہ سن کر وفورِ مسرت میں بول اٹھے خدا نے میرے لڑکے کو یہ رتبہ عطا کیا اور گھر جاکر بیوی سے کہا میں نے تمہارے لڑکے کو ایسے رتبہ پر دیکھا کہ اس سے قبل کسی صاحبِ علم فقیہ کو نہ دیکھا تھا۔ شوہر کی زبان سے یہ اعتراف سننے کے بعد بیوی نے کہا، اب بتاؤ کیا چاہتے ہو، بیٹے کی یہ عظمت و شان یا تیس ہزار اشرفیاں؟ فرّوخؒ نے جواب دیا۔ خدا کی قسم لڑکے کی عظمت و شان۔ بیوی نے کہا تو پھر تم کو معلوم ہونا چاہیئے کہ میں نے تمہاری کل دولت اس کی تعلیم میں صرف کر دی۔ فرّوخؒ نے کہا خدا کی قسم ٹھکانے لگی[1]

دینی اور انگریزی تعلیم کا فرق

ہائے غربت

سکول ٹیچر نے خود کو پھانسی دیدی

لاہور (نمائندہ خصوصی) بستی سیدن شاہ اپر مال میں ایک سکول ٹیچر نے غربت سے تنگ آکر خود کو پھانسی دیکر خودکشی کرلی۔ پولیس نے رپورٹ درج کر کے نعش پوسٹ مارٹم کے لئے بھجوادی ہے۔

بتایا گیا ہے کہ متوفی 40 سالہ انوارالحق گورنمنٹ ہائی سکول باغبانپورہ میں سیکنڈ شفٹ میں دسویں جماعت کے بچوں کو پڑھاتا تھا اس کے تین جوان بیٹیاں اور تین بیٹے تھے۔ قلیل تنخواہ میں گھر کی گزر اوقات نہ ہوتی تھی اس نے اپنے مختلف دوست احباب سے قرضہ لے رکھا تھا جو اس سے واپسی کا تقاضا کرتے تھے۔ دو تین ماہ قبل غریب سکول ٹیچر نے کاروبار بھی کرنے کی کوشش کی لیکن ناکامی کا سامنا ہوا۔[2]

---

[1] تاریخِ بغداد ج ۸ ص ٤٢١ بحوالہ سیر الصحابہ ج ۷ ص ١٣٣

[2] روزنامہ نوائے وقت ٢٤ نومبر ١٩٩٥ء ص ١٣ کالم ٣

قارئین محترم ! اس جیسی بہت سی خبریں آپ آئے دن اخبارات میں ملاحظہ فرماتے رہتے ہیں، لیکن اس کے برخلاف یہ خبر نظر سے نہیں گزرتی کہ فلاں مدرسہ کے دینی طالب علم یا فلاں مسجد کے مؤذّن یا امام و خطیب نے غربت سے تنگ آکر خودکشی کر لی۔ حیرت ہے کہ اس کے باوجود لوگ یہ کہتے نہیں تھکتے کہ اپنی اولاد کو دین نہ سکھلاؤ، ورنہ یہ کھائیں گے پئیں گے کہاں سے اور ان سے شادی بیاہ کون کرے گا۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

کتوں جیسی حرکات و سکنات والا بچہ کچا گوشت کھاتا ہے۔ قصابوں کی دکان کے گرد گھومتا رہتا ہے

کوٹ مومن (این این آئی) کتوں جیسی حرکات و سکنات رکھنے والا عجیب و غریب بچہ پورے شہر کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔ تفصیلات کے مطابق ایک دس بارہ سالہ بچہ سارا دن قصابوں کی دکانوں کے گرد منڈلاتا رہتا ہے جیسے ہی قصاب گوشت کا کوئی ٹکڑا اس کی طرف اچھالتے ہیں تو فوراً جھپٹ کر منہ میں ڈال لیتا ہے اور نہایت مزے لے کر کھانا شروع کر دیتا ہے اور اگر قصاب گوشت نہ دے تو گاہکوں کی منت سماجت شروع کر دیتا ہے اور پاؤں میں لپٹنا شروع کر دیتا ہے جیسے ہی گوشت کا ٹکڑا مل جائے فوراً کچا چبا کر نگل لیتا ہے۔ [1]

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بہت سی برائیاں شمار فرما کر ارشاد فرمایا کہ جب یہ برائیاں ہونے لگیں تو سُرخ آندھی، زلزلہ، زمین میں دھنس جانے، شکلیں بگڑ جانے، آسمان سے پتھر برسنے اور طرح طرح کے لگاتار عذابوں کا انتظار کرو۔

غریب عوام کی غریب حکومت

ایوان صدر میں 47 لاکھ کی لاگت سے باغیچے کی تیاری

اسلام آباد (کے پی آئی) غیر ملکی ماہرین کی نگرانی میں ایوان صدر میں 47 لاکھ روپے کی لاگت سے نیا باغیچہ تیار کیا گیا ہے اس باغیچے میں لگائی جانے والی گھاس خصوصی طور پر امریکہ سے منگوائی گئی ہے۔ ایوان صدر میں بنائے جانے والے اس لئے باغ کیلئے پنجاب کے مختلف اضلاع سے زرخیز مٹی مختلف لیبارٹریز میں تجزیہ کرنے کے بعد لائی گئی ہے۔ یاد رہے کہ قبل ازیں ایوان صدر میں صدر محمد فاروق لغاری کے شکار کھیلنے کیلئے خصوصی طور لاکھوں روپے کی لاگت سے شکار گاہ بنائی گئی تھی۔

روزنامہ نوائے وقت ۲۴ نومبر ۱۹۹۵ء ص۷ کالم ۳

مہمان کے کھانے پر 2 لاکھ روپے کے اخراجات

لاہور (پی پی اے) پنجاب حکومت کی شاہ خرچیوں کا اس بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہارس اینڈ کیٹل شو میں روزانہ ایک مہمان خصوصی ہوتا ہے جس کیلئے دوپہر کا کھانا وزیر اعلیٰ پنجاب کی طرف سے دیا جاتا ہے مگر آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ صرف ایک مہمان کو دوپہر کا کھانا کھلانے کیلئے روزانہ تقریباً 2 لاکھ روپے خرچ ہو رہے ہیں۔ کھانے کیلئے پنجاب حکومت نے مقامی فائیو سٹار ہوٹل کی خدمت لے رکھی ہے جو 600 روپے فی کس کے حساب سے کھانا فراہم کر رہا ہے۔ اسکے علاوہ اعلیٰ قسم کا فرنیچر و قالین وغیرہ کا کرایہ الگ سے پنجاب حکومت ادا کرے گی جو لاکھوں کی شکل میں ہو گا۔

روزنامہ نوائے وقت ۲۴ نومبر ۱۹۹۵ ص۹ کالم ۵

---

[1] روزنامہ نوائے وقت ۲۴ نومبر ۱۹۹۵ء ص۱۱ کالم ۳

روزنامہ نوائے وقت لاہور (10) 24 نومبر 1995ء

وزیر اعظم سیکرٹریٹ کی شاہانہ آرائش ○ 11 کروڑ روپے خرچ کئے جائیں گے

صرف وزیر اعظم کی میز 2 لاکھ 72 ہزار اور سائیڈ بورڈ ایک لاکھ 16 ہزار روپے میں بنایا جائے گا

سب سے زیادہ خرچ ضیافت ہال پر کیا جارہا ہے ○ مرکزی کافی ٹیبل پر 2 لاکھ 90 ہزار روپے خرچ ہونگے

پرانے سیکرٹریٹ کا فرنیچر نئے سیکرٹریٹ کی کلر سکیم سے مطابقت نہیں رکھتا ○ ماہرین کی رائے

اسلام آباد (این این آئی) وفاقی دارالحکومت میں شاہراہ دستور پر تکمیل کے آخری مراحل میں داخل ہونے والے وزیر اعظم سیکرٹریٹ کی شاہانہ انداز میں آرائش و زیبائش پر مزید 11 کروڑ روپے خرچ کئے جائیں گے۔ اس میں مہنگائی کے باعث خاصے اضافے کا بھی امکان ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق سب سے زیادہ خرچ ضیافت ہال پر کیا جارہا ہے جس کے فرنیچر اور قیمتی ساز و سامان پر ایک کروڑ روپے' وی آئی پی ویٹنگ لاؤنج کے فرنیچر اور سامان پر 73 لاکھ روپے دربار ہال پر 37 لاکھ 20 ہزار روپے' کیبنٹ روم پر 34 لاکھ 10 ہزار روپے اور وزیر اعظم کے اپنے دفتر پر 31 لاکھ 70 ہزار روپے خرچ کئے جائیں گے۔ رپورٹ کے مطابق موجودہ وزیر اعظم سیکرٹریٹ کے بہترین فرنیچر کے باوجود نئے فرنیچر اور ساز و سامان پر کروڑوں روپے خرچ کرنے کا یہ جواز پیش کیا جارہا ہے کہ پرانا فرنیچر نئے وزیر اعظم سیکرٹریٹ کی کلر سکیم سے مطابقت نہیں رکھتا۔ رپورٹ کے مطابق موجودہ وزیر اعظم سیکرٹریٹ میں موجود فرنیچر اور ساز و سامان کی مالیت 7 کروڑ 70 لاکھ روپے ہے۔ اگر اسی فرنیچر اور ساز و سامان کو نئے وزیر اعظم سیکرٹریٹ میں شفٹ کر دیا جاتا تو وہاں 11 کروڑ روپے خرچ کرنے کی بجائے اس کی آرائش کا کام پانچ کروڑ کے لگ بھگ ہو سکتا تھا۔ بتایا گیا ہے کہ نئے وزیر اعظم سیکرٹریٹ میں وزیر اعظم کی دفتری میز 2 لاکھ 72 ہزار روپے' میز کے ساتھ رکھا جانے والا سائیڈ بورڈ ایک لاکھ 16 ہزار روپے' وزیر اعظم کے دفتر میں رکھی جانے والی کتابوں کی الماری پر 2 لاکھ 45 ہزار روپے جبکہ دربار ہال کیلئے مرکزی کافی ٹیبل پر 2 لاکھ 90 ہزار روپے خرچ کئے جائیں گے۔

رپورٹ کے مطابق نئے وزیر اعظم سیکرٹریٹ میں آنے والے ملاقاتیوں کی کرسیوں کی تیاری پر ایک کروڑ روپے نئے دفتری میزوں پر 70 لاکھ روپے فائلوں کی الماریوں پر 30 لاکھ روپے اور سیکرٹریٹ کے افسروں اور ملازمین کیلئے دفتری کرسیوں پر 22 لاکھ روپے خرچ آئیں گے۔ رپورٹ کے مطابق وزیر اعظم سیکرٹریٹ کے گراؤنڈ فلور پر چار خصوصی صوفے رکھے جائیں گے جن میں سے ہر صوفہ تقریباً 25 ہزار روپے میں تیار ہو گا جبکہ وزیر اعظم سیکرٹریٹ کی دیواروں پر خوبصورتی کیلئے لگائی جانے والی اشیاء پر 10 لاکھ روپے اور 12 لاکھ روپے سے خوبصورت پورٹریٹ خریدے جائیں گے۔ نئے وزیر اعظم سیکرٹریٹ کا تمام فرنیچر انتہائی اعلیٰ کوالٹی کی شیشم کی لکڑی اور فوم شیٹس سے تیار کیا جائے گا جبکہ وزیر اعظم اور دیگر وی آئی پی شخصیات کے دفاتر کے فرنیچر میں راسلک اور چمڑے کا بھی استعمال کیا جائے گا۔ رپورٹ کے مطابق وزیر اعظم سیکرٹریٹ کے منصوبے کی نگران مرکزی ترقیاتی کمیٹی کے مطابق اس منصوبے کیلئے لگائے گئے 11 کروڑ روپے کے تخمینے کی لاگت حتمی نہیں ہے' اس میں مزید اضافہ بھی ہو سکتا ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ وزیر اعظم نئے سیکرٹریٹ کا مناسب فرنیچر چاہتی تھیں لیکن ماہرین انہیں یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گئے کہ اس سیکرٹریٹ کے شایان شان انتہائی اعلیٰ ترین فرنیچر ہونا چاہئے۔ ماہرین نے وزیر اعظم کو بتایا کہ نیا وزیر اعظم سیکرٹریٹ مغل طرز تعمیر میں اسلامی فن تعمیر کا ایک نادر نمونہ ہو گا اور اس میں مراکش اور سعودی عرب کے انداز سے بھی استفادہ کیا جائے گا۔ رپورٹ کے مطابق پرائیویٹ ماہرین نے یہ تجویز بھی دی ہے کہ نئے سیکرٹریٹ کے مرکزی آفس اور اس کی راہداریوں میں ایرانی طرز کے شمع دان بھی نصب کئے جائیں گے اور اگر ضرورت محسوس ہو تو ماہرین تفصیلی جائزے کیلئے ایران جائیں جس کا تمام خرچہ سی ڈی اے برداشت کرے۔ نئے سیکرٹریٹ کے دو فلورز وزیر اعظم اور ان کے پرسنل سٹاف کے دفاتر کیلئے مخصوص ہوں گے جن کے دروازوں پر مغلائی طرز کی محرابیں بنائی جائیں گی اور ان دروازوں پر سونے کا کام بھی ہو گا۔ یہ دونوں فلور مکمل طور پر یمنی انداز میں مکمل سفید رنگ میں ہوں گے۔

حیرت ہے کہ عوام تو مہنگائی کی وجہ سے بلبلا اٹھے ہیں۔ بہت سوں کو کھانے کے لیے روٹی اور رہنے کے لیے مکان میسر نہیں اور حکمرانوں کی شاہ خرچیوں کا یہ حال ہے۔

اعلانِ داخلہ

المعراج الیکٹرو ہومیوپیتھی میڈیکل کالج پراسپکٹس فری جوابی لفافہ بھیج کر منگوالیں۔ کورس ڈی۔ ای۔ ایچ ایم '' بی۔ ای۔ ایچ۔ ایم، ڈی۔ ڈی۔ ایس۔ سی۔ ڈاک کورس' طلبہ و طالبات داخلہ لے سکتے ہیں۔ دو طریقے اپنائے ہیں: (۱) ریگولر کلاسنر (۲) بذریعہ خط و کتابت۔ تعلیم بذریعہ ڈاک۔

پتہ: المعراج الیکٹرو ہومیوپیتھی میڈیکل کالج کریم پارک نزد ایجنسی پیپسی کولا لاہور۔ المعراج فری ہسپتال کریم پارک نزد ایجنسی پیپسی کولا لاہور۔

نوٹ: وفاق المدارس کے فارغ التحصیل علماء بھی داخلہ لے سکتے ہیں۔

پاکستان کا سب سے زیادہ فروخت ہونے والا

قرشی

جوہر جوشاندہ

فلو، نزلہ، زکام اور گلے کی خراش کا مؤثر علاج

صدیوں سے آزمودہ جوشاندہ
اب فوری حل ہونے والے انسٹنٹ
جوہر جوشاندہ کی شکل میں۔
ترکیبِ استعمال: ایک کپ گرم
پانی یا چائے میں ایک پیکٹ
جوہر جوشاندہ ملائیں
اور جوشاندہ تیار۔
دن میں دو یا تین پیکٹ
جوہر جوشاندہ
استعمال کریں۔

آسان استعمال
مؤثر علاج

قرشی
تحقیق کی روایت
معیار کی ضمانت